معراج اليقين

ہمیں معلوم ہے کیا اہل صفا رکھتے ہیں
قائل عدل ہیں، توحید خدا رکھتے ہیں
جان و دل سے ہیں نبوت و امامت پہ نثار
اعتقاد اپنا قیامت پہ سدا رکھتے ہیں

معراج الیقین

جس میں اصول دین شیعہ کو برائے افادہ مومنین و خصوصاً طلاب علم صاف اور آسان اردو میں عام فہم دلیلوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

مؤلفہ
سید غلام علی احسن وکیل شاہ گنج۔ آگرہ

مطبوعہ آگرہ اخبار پریس آگرہ

توثیق از جناب حجۃ الاسلام کہف الانام عمدۃ العلما سرکار شریعت مدار قبلہ و کعبہ حضرت مولانا السید کلب حسین عرف کبن صاحب قبلہ دامت برکاتہم مجتہد العصر و امام جمعہ و جماعت لکھنؤ

باسمہ سبحانہ ولہ الحمد

میں نے کتاب معراج الیقین مولفہ جناب مستطاب سید غلام علی صاحب دام مجدہٗ کو اول سے آخر تک نظر اجمالی سے دیکھا اور میں یہ کہنے کو تیار ہوں کہ ممدوح نے طلبہ علوم و معرفت کے لئے بہترین راستہ پیدا کر دیا ہے اور ان حضرات کے واسطے مختصراً ہر شے اس رسالہ میں موجود ہے۔ تحقیق و تفتیش معارف یقینیہ کے ابتدائی مراحل طے کرنے والوں کے واسطے یہ کتاب تمام مبادی و اولیات علم کلام فراہم کر دینے کا بہترین ذخیرہ ہے۔ خداوند عالم مولف ممدوح کو جزائے خیر اور مومنین کو توفیق استفادہ عطا کرے۔ حررہ السید کلب حسین بقلمہ۔ ۱۴ ماہ شعبان ۱۳۵۴ھ

تقریظ از جناب فخر الواعظین مولانا السید مبارک علی صاحب عالم لکھنوی حال ساکن شاہ گنج آگرہ

کتاب معراج الیقین مولفہ عزیزی جناب سید غلام علی صاحب وکیل و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ آگرہ۔ از اول تا آخر میں نے دیکھی اور جا بجا بنایا بھی۔ ماشاء اللہ طریقہ خوب اور طرز مرغوب پر وکیل صاحب موصوف نے اس رسالہ کو ترتیب دیا ہے۔ خداوند کریم اس کی

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا اِذْ جَاءَهُمُ الْهُدٰى

اور آدمیوں کو ایمان لانے سے کونسی چیز مانع ہے جبکہ اُن کے پاس ہدایت آچکی

معراج الیقین

مولفہ

سید غلام علی احسن وکیل شاہ گنج ۔ آگرہ

مطبوعہ آگرہ اخبار پریس آگرہ

فہرست مضامین کتاب معراج الیقین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مقدمہ کتاب	۳
۲	تمہید	۷
۳	بحث توحید و وجود باری	۱۸
	(۱) دور اور تسلسل	۱۹
	(۲) صفات ثبوتیہ	۲۲
	(۳) صفات سلبیہ	۲۵
۴	عدل	۳۰
	(۱) حسن و قبح اشیاء عقلی ہے	۳۱
	(۲) انسان اپنے فعل کا مختار ہے۔ مسئلہ جبر و اختیار۔	۳۵
	(۳) صدور قبیح خداوند عالم سے محال ہے۔	۴۰
	(۴) خداوند عالم کا ہر کام غرض اور مصلحت پر مبنی ہے۔	۴۰
	(۵) خدا پر لطف واجب ہے۔	۴۶
	(۶) خداوند عالم پر معاوضہ اُن آلام و مصائب اور تکالیف کا واجب ہے جو بندہ کو منجانب خدا پہنچتی ہیں۔	۴۷
	(۷) بحث عدل کے متعلق ضروری باتیں	۵۰
۵	نبوت	۶۰
۶	امامت	۷۷
۷	قیامت	۸۸
۸	فوائد متفرقہ (ضروری باتیں)	۹۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ کتاب

تمام تعریفیں اُس خالق بے نیاز کے لئے سزاوار ہیں جس کے سمجھنے میں عقول البشر حیران و سرگرداں ہیں اور جس کے کنہ ذات کا سمجھنا مخلوق کے لئے محال ہے۔ اور سلام و درود نا محدود اُس مخلوق اول یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے اہلبیت علیہم السلام پر ہو جو باعث ایجاد عالم اور مظہر صفات واجب الوجود ہیں۔

اما بعد احقر زمن سید غلام علی احسن ابن سید بنیاد علی مغفور مرحوم ابن سید گلزار علی دلگیر مرحوم ساکن شاہ گنج آگرہ عرض رساں ہے کہ نحیف کو بعد تعلیم اسکول تلاش معاش کی فکر دامنگیر ہوئی لیکن تعلیم سے دل سیر نہیں ہوا تھا۔ اسکول کی انگریزی تعلیم کے بعد عربی کی طرف توجہ ہوئی تو مدرسہ وقف حاجی میر نیاز علی صاحب مرحوم و مغفور اعلی اللہ مقامہٗ میں جناب فخر الذاکرین مولانا حکیم السید مبارک علی صاحب عالم مدرس وقف سے سنہ ۱۹۰۴ء میں عربی شروع کی اور سلسلہ معاش کے لئے دفتر کمشنری آگرہ میں امیدواری شروع کردی۔ بعد ختم صرف و نحو جب عربی میں اصول دین کا رسالہ النافع یوم المحشر فی شرح باب الحادی عشر پڑھا معاً یہ خیال ہوا کہ تمام انگریزی اسکولوں کے مسلمان طالب علموں کو اس قسم کے رسالے اردو میں ضرور پڑھنے چاہئیں کیونکہ اصول دین کا

جاننا دلیل و حجت سے اور اُن کا اعتقاد رکھنا واجب و لازم ہے زمانہ طالب علمی میں کوئی رسالہ اس قسم کا نہیں پڑھتا وہ اپنی ضروریات دین سے بالکل جاہل رہتا ہے اور اسی وجہ سے انگریزی طلبہ کے اعتقادات پر خراب اثر پڑتا رہتا ہے ایک عرصہ تک میں اس قسم کے رسالوں کی تلاش میں رہا لیکن جس طرح کا رسالہ اصول پر میری خواہش تھی میری نظر سے نہیں گزرا اور جو رسالے اُردو میں اس مضمون پر ہیں وہ زیادہ منطقی اور فلسفی دلایل اور اُن علوم کی اصطلاحات سے بھرے ہوئے ہیں جن کا عموماً سمجھ میں آنا بغیر منطق پڑھے مشکل ہے۔

اب اتفاق سے مجھے کچھ فرصت ملی تو میں نے چند رسالے اصول دین کے دیکھکر ان میں سے سوال و جواب کے طریقہ پر اصول پنجگانہ کو تحریر کیا میرا خیال ہے کہ ہائی اسکول اور انٹرمیجیٹ کے طلبہ و نیز عام مومنین کو اس طریقہ کا رسالہ مفید ثابت ہوگا۔

میں نے یہ رسالہ اس غرض اور مقصد سے لکھا ہے کہ دیندار والدین کا فرض ہے کہ جب اُن کے لڑکے انگریزی اسکول میں تعلیم پاتے ہوں یا ہائی اسکول کی تعلیم گھر پر پرئیویٹ دلائی جاتی ہو ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم کے سلسلہ میں اصول دین کے رسالوں کے دیکھنے کے لئے ضرور تاکید کریں کیونکہ اگر خدانخواستہ والدین کے تساہل سے لڑکے کے خیالات پر اصول دین میں کوئی خرابی آگئی تو والدین پر اس کا اثر پڑے گا کیونکہ والدین درستی عقائد کے ذمہ دار ہیں۔

میں نے اس رسالہ کو عام فہم اردو میں اور حتی الامکان منطقی دلائل سے اور اُس کے اصطلاحی الفاظ سے بری رکھا ہے اور اگر کہیں مجبوراً اور ضرورتاً کوئی اصطلاحی لفظ آ گیا تو اُس کی تشریح صاف اور آسان لفظوں میں کر دی ہے اور اپنے اونھیں اوستاد موصوف سے اصلاح اس کے متعلق کی اونھوں نے اپنا قیمتی وقت اس میں صرف فرمایا۔ مڈل کلاس تک اجمالاً اصول دین اور فروع دین کا محض جاننا ہی کافی ہے۔ لیکن انٹرنس اور انٹرمیجیٹ کے طلبہ جو حد بلوغ کو یقیناً پھونچ جاتے ہیں اور عموماً دلایل کی طرف دل راغب ہوتا ہے اُن کو اصول دین کا دلیل اور حجّت سے جاننا واجب اور ضروری ہو جاتا ہے۔ شیعہ ہائی اسکول اور انٹرمیجیٹ اسکولوں میں اس قسم کے رسالے مذہبی کورس میں داخل کیے جائیں بلکہ تمام شیعہ جب اُن کے لڑکے انٹرنس کلاس میں پھونچیں اور سرکاری یا دیگر مدارس میں تعلیم پاتے ہوں تو نج کے طور پہ یا کورس میں داخل کرا کر اس قسم کے رسالے ضرور پڑھائیں یہ سرپرستوں اور والدین کا فرض اولین ہے ورنہ گنہگار ہوں گے اور پیش پروردگار عالم جوابدہ ہوں گے۔ میں نے درد دین سے اس رسالہ کو ترتیب دیا ہے امید ہے کہ انگریزی طلبہ کا طبقہ میری اس محنت کی اس طرح داد دیگا کہ اپنے زمانہ طالب علمی میں اس رسالہ کو پڑھ کر سمجھ لیگا اور دعائے خیر سے مجکو اور میرے اوستاد موصوف کو یاد کرے گا۔ مجھے خود اپنی کم علمی کا اعتراف ہے اور نہ یہ میرا کام تھا کہ میں ایسا رسالہ لکھتا لیکن اس طرز کا چونکہ کوئی رسالہ میری

نظر سے نہیں گزرا تھا نیز اپنے ہم جنسوں کا خصوصیت سے فائدہ مدنظر تھا اس لئے ایسی جسارت کی لہذا اگر کوئی غلطی اور سقم رہ گیا ہو یا کسی دلیل میں خامی محسوس ہو تو میری کم علمی پر محمول کریں نہ یہ کہ اصل دلیل کو کمزور سمجھ لیں العذر عند کرام الناس مقبول۔

اگرچہ یہ رسالہ اُستاد موصوف کے علاوہ دیگر اہل علم کو بھی دکھا لیا ہے اور اُنہوں نے اپنی پسندیدگی کا اظہار تحریرًا فرمایا ہے جو کتاب میں اپنے مناسب مقام پر تحریر ہیں۔

میں جناب سید حامد علی سلمہٗ و حاجی سید محمد عابد رضا صاحب و سید صفدر حسین و سید علی غضنفر صاحبان کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے مسودہ کتاب کو صاف کرنے اور پروف کے صحیح کرنے میں امداد دی۔

احقر العباد کربلائی سید غلام علی احسن
۱۷ر شوال المکرم ۱۳۵۳ھ
مطابق ۲۳ر جنوری ۱۹۳۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۔ تمہید

س ۱۔ واجب کے کیا معنی ہیں۔

ج ۱۔ واجب کے معنی لغت میں ثابت ہونے اور ساقط ہونے کے ہیں لیکن اصطلاح فقہا اور شرع میں واجب اُس کو کہتے ہیں جس کا نہ کرنے والا گنہگار سمجھا جاوے اور اہل عقل کے نزدیک قابل مذمت ہو۔ علم کلام جس میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے اُس کی اصطلاح میں واجب الوجود اُس ذات کو کہتے ہیں جو ہمیشہ سے ثابت و قائم ہو اور ہمیشہ ثابت و قائم رہے اور کوئی احتیاج و ضرورت اُس کو نہ ہو بلکہ ماسوائے اُس کے سب اُس کے محتاج ہوں۔

س ۲۔ فقہی واجب کی کے قسمیں ہیں۔

ج ۲۔ واجب کی تین ۳ قسمیں ہیں (۱) واجب عینی (۲) واجب کفائی (۳) واجب تخییری

(۱) واجب عینی وہ ہے جس کا ہر مکلف پر بجا لانا ضروری اور فرض ہو اور اُس کے نہ کرنے پر خدا کے نزدیک مستحق عذاب اور عقلا کے نزدیک کسی

وجہ سے مذمت کا مستحق ہو مثل معرفت خالق کے یا جیسے نماز روزہ وغیرہ
(۲) واجب کفائی' وہ ہے جو سب پر واجب ہو لیکن کسی ایک شخص کے انجام دینے سے دوسروں سے وہ کام ساقط ہو جاوے جیسے نماز جنازہ کہ اگر ایک شخص نے بھی پڑھ لی تو سب سے ساقط ہو گئی لیکن واجب سب پر ہوتی ہے یا جواب سلام کہ ایک شخص کے جواب دینے سے کل مجمع سے ساقط ہو جاتا ہے ورنہ سب مشغول الذمہ رہیں گے۔
(۳) واجب تخییری وہ ہے کہ جس میں دو چیزوں یا تین چیزوں سے ایک واجب ہو اور مکلف کو اختیار رہے کہ جس چیز کو چاہے اختیار کرے جیسے بعض علما کے نزدیک زمانہ غیبت امام میں نماز جمعہ اور ظہر کہ اگر چاہے نماز جمعہ پڑھے اور چاہے نماز ظہر پڑھے اور جس ایک کو اختیار کریگا تو دوسرا ساقط ہو جائے گا۔

س۳۔ مکلّف کس کو کہتے ہیں۔

ج۳۔ ہر بالغ عاقل سمجھدار انسان کو جس پر خدائی احکام واجب ہوں اور اگر نہ بجا لائے تو گنہگار ہوگا اوس کو "مکلّف" کہتے ہیں۔ مجنون اور ناسمجھ بچے مکلف نہیں ہیں۔

س۴۔ دین کس کو کہتے ہیں۔

ج۴۔ دین کے معنی لغت میں جزا اور عوض کے ہیں جیسا عربی میں کہا جاتا ہے

کَمَا تَدِیْنُ تُدَان یعنی جیسا کروگے ویسا بدلہ پاؤگے۔ اور اصطلاح شرع میں
شریعت اور طریقت کو کہتے ہیں۔

س۵۔ اصول دین کس کو کہتے ہیں۔

ج۵۔ اصول دین ہر مذہب کے وہ ہیں جس پر اُس مذہب کی بنا اور اُسی پر
دارومدار ہے اور منکر اُس کا خارج از دین ہے اور شرع اسلام میں دین
سے وحدانیت خدا اور اُس کے صفات عدل وغیرہ نبوت انبیا و امامت
و قیامت مراد ہیں۔

س۶۔ (الف) ان امور کو اصول دین کیوں کہتے ہیں۔

ج۶۔ اس لئے کہتے ہیں کہ انسان کا مومن ہونا انہیں پر موقوف ہے اور جس فن
میں امور مذکورہ سے بحث کی جاتی ہے اُس کو علم کلام کہتے ہیں۔

س۷۔ کیا اصول دین کا بدلائل جاننا واجب ہے۔

ج۷۔ ہاں بدلائل جاننا واجب عینی ہے اگرچہ اجمالاً ہو اور اگر کوئی نہ جانے گا تو
گناہ گار اور کافر مرے گا اور کوئی عبادت قبول نہیں ہوگی۔

س۸۔ شیعوں کے اصول دین کے ہیں۔ اور کون کون ہیں۔

ج۸۔ اصول دین پانچ ہیں (۱) توحید (۲) عدل (۳) نبوّت (۴) امامت
(۵) قیامت

س۹۔ اصول دین میں وجود صانع اور خدا کی ہستی کو مستقلاً کیوں نہیں شمار کیا گیا اور

کیوں اس کا ذکر اصول دین میں تصریح سے نہیں کیا گیا۔

ج - اولاً تو اس لئے کہ خدا کو ہر مخلوق فطرۃً مانتے ہوئے ہے - اور ثبوت خالق کے لئے کسی دلیل کی بظاہر ضرورت نہیں کیونکہ جو بدیہی اور ظاہر چیز ہے اُس کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں اور نہ اُس کو کسی مذہب کے اصول امتیازی میں شمار کیا جا سکتا ہے - بلکہ جو گروہ مذہب والے کہے جاتے ہیں وہ کسی نہ کسی طرح خالق کے وجود کو مانتے ہیں - کیونکہ ہر بنی ہوئی چیز اپنے بنانے والے کا پتہ بتاتی ہے اور اُس کے ثبوت کی ضرورت نہیں۔
ثانیاً یہ کہ باب توحید ہی میں متکلمین اثبات وجود باری کے تمام ادلّہ ذکر کر دیتے ہیں اور اس بحث کے واسطے مستقل کوئی باب معین نہیں فرماتے۔
چنانچہ علمائے اسلام نے اثبات صانع کے دو طریقے اختیار کئے ہیں -
(۱) ایک یہ کہ دنیا کی اُن چیزوں کو دیکھکر جو کسی انسان کے بنائے نہیں بن سکتی ہیں اُس کے صانع کے وجود کا پتہ لگتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے،
سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ط (حٰم سجدہ پارہ ۲۴ - آیت ۵۲) یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم انسانوں کو اپنی نشانیاں دکھاتے رہتے ہیں جو دنیا کے گوشوں میں ہیں اور خود اُن کے نفسوں میں موجود ہیں تاکہ اُن پر یہ کھل جائے کہ خالق کی ذات حق ہے - (۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ شئے موجود میں نظر کی جاوے کہ وہ

اپنے وجود (ہستی) میں کسی کی محتاج ہے یا نہیں۔ جو محتاج اپنے وجود میں کسی غیر کا نہیں ہے اور اُسی کی ذات سے کل ممکنات صادر ہوئے ہیں وہی واجب الوجود ہے اور ماسوا اس کے کل ممکنات ہیں۔ ہر انسان بالغ عاقل پر اپنے خالق کا جاننا عیناً واجب و لازم ہے ورنہ گنہگار رہوگا اور کافر مرے گا۔

س۱۰۔ اصول دین میں عدل کو اصل مستقل کیوں قرار دیا گیا حالانکہ باب توحید میں مثل دیگر صفات باری کے یہ بھی داخل ہو سکتا تھا۔

ج۱۰۔ دراصل ایسا ہی ہے مگر چونکہ عدل ہی وہ صفت ذات باری ہے جس پر شریعت کا ثبوت معاد کا وجوب، انبیاء کی بعثت کا حق ہونا وغیرہ موقوف ہے اور بعضے فرق اسلام اس کے منکر ہیں لہذا اہمیت کے اعتبار سے عدل کو اصل مستقل قرار دیا گیا۔

س۱۱۔ اصول دین کا جاننا واجب کیوں ہے۔

ج۱۱۔ عقلی وجوہ یہ ہیں کہ (۱) دنیا میں بہت سے مذاہب ہیں انسان دیکھتا ہے کہ کوئی خدا کو مانتا ہے اور کوئی خدا کا منکر اور دہریہ ہے کوئی بت پرست ہے کوئی آتش پرست ہے کوئی نیچری ہے۔ یہ حالت دیکھکر ایک قسم کی پریشانی ہوتی ہے اور خوف ہوتا ہے کہ دراصل کیا امر ہے اور یہی خیالات ہر وقت روح کو ایک قسم کی اذیت پھونچاتے ہیں عقلاً اس خوف کا دفع کرنا

واجب ہے اور جبکہ اس خوف کا ازالہ ہو سکتا ہے تو عقل اس کے دفع کرنے کی ترغیب دیتی ہے اور انسان کا عقلی فرض ہے کہ کوئی رخ اختیار کر کے اپنی عقل کے موافق اپنی تسکین کر لے۔ دوم یہ کہ شکر منعم (یعنی نعمت دینے والا) واجب ہے۔ اور شکر بغیر معرفت منعم کے ادا نہیں ہو سکتا کیونکہ شکر مناسب حال منعم ہونا چاہیے اگر اُس کی معرفت حاصل نہیں ہوئی تو شکر ناتمام رہیگا خداوند عالم منعم ہے اور اُس کا شکر واجب ہے پس اُس کا جاننا بھی واجب ہے اور چونکہ تکلیف حکمتاً لطف ہے اور ہر لطف خدا پر واجب اور ضروری ہے جیسا کہ آئندہ ذکر آتا ہے تو اُس کی تبلیغ کرنے والے کی بھی معرفت واجب ہے اور وہ نبی ہے اور اُس تکلیف کے محافظ کی معرفت بھی واجب ہے جو نبی کے بعد اُس کی شریعت کی حفاظت کرتا ہے اور وہ امام ہیں اور چونکہ تکلیف کے بعد خدمت کی جزا بھی واجب و لازم ہے وہ معاد و قیامت ہے۔

وہ دلائل نقلی جو تائید دلیل عقلی کی کرتے ہیں وجوب معرفت اصول دین پر یعنی وہ جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں (۱) قول باری تعالیٰ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ[1] یعنی جان تو اور علم حاصل کر کہ بہ تحقیق کوئی دوسرا خدا سوائے اللہ کے نہیں ہے۔ خداوند عالم نے بصیغہ امر حکم دیا ہے اور حقیقتاً امر وجوب کے لئے مستعمل ہے لہذا معرفت الٰہی واجب ہے ہر انسان مکلف پر

[1] پارہ ۲۶۔ رکوع ۶۔ سورہ محمد۔

(۲) خداوند عالم فرماتا ہے اِنَّ فِی خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ اللَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ (سورہ آل عمران پارہ ۴- آیت ۱۹۰) یعنی زمین اور آسمان کی تخلیق میں اور دن اور رات کے لوٹ پوٹ میں صاحبان عقل و بصیرت کے لئے نشانیاں ہماری ہیں۔ لہذا ہر صاحب عقل کے لئے خالق کی نشانیوں سے اُس کا پتہ لگانا واجب ہے۔

س ۱۱- (الف) اصول دین کو دلیل اور حجّت سے جاننا واجب ہے یا تقلیداً ماننا کافی ہے۔

ج ۱۱ (الف) تقلیداً نہیں مان سکتے دلیل اور حجّت سے ماننا واجب ہے۔

س ۱۲- تقلید کس کو کہتے ہیں۔

ج ۱۲- کسی کے قول کو بلا کسی دلیل اور حجّت کے ماننے کو تقلید کہتے ہیں مثلاً مجتہد نے کہا کہ سود حرام ہے پس مقلد کے حق میں یہ حکم خدا ہے دلیل معلوم کرنے کی ضرورت نہیں کہ کیوں حرام ہوا لیکن وحدانیت و رسالت وغیرہ کے لئے دلیل کی ضرورت ہے خواہ کیسی ہی ہو۔

س ۱۳- دلیل اور حجّت کس کو کہتے ہیں۔

ج ۱۳- دلیل وہ ہے کہ ایک چیز کے جاننے سے دوسری چیز کا علم ہو یعنی معلوم چیزوں سے مجہول شئے کا حاصل کرنا جیسے جہاں دھواں دیکھا معلوم

ہوا کہ آگ اور گرمائی ہے۔

س۱۴ - دلیل اور حُجت کی ضرورت اصول دین کے جاننے میں کیوں ہے۔

ج۱۴ - دلیل اور حُجت کی اس وجہ سے ضرورت ہے کہ اصول دین اُن چیزوں میں نہیں ہیں جو حواس خمسہ سے محسوس ہو سکیں یا جو بغیر غور و فکر کے معلوم ہو سکیں مثل اس کے کہ آگ گرم ہے۔ سورج روشنی دیتا ہے۔ ایک دو کا آدھا ہے جب ایسا نہیں ہے تو دلیل اور حُجت سے جاننا چاہیے یعنی دین کا تعلق اعتقاد سے ہے اور اعتقاد و یقین غیر محسوس چیزوں کا بلا غور و فکر کے نہیں ہوتا اور غور و فکر صحیح کو دلیل اور حُجت کہتے ہیں جو چند معلوم امور کے باقاعدہ ترتیب دینے سے غیر معلوم چیز کو جتلا دیتی ہے۔

س۱۵ - اصول دین کو تقلیداً ماننے میں کیا قباحت ہے۔

ج۱۵ - عقلی قباحت - تقلید کے معنی جب یہ ہیں کہ بلا کسی دلیل کے دوسرے کا حکم مانا جاوے تو اگر اصول دین کو تقلیداً مانیں تو یہ خرابی لازم آتی ہے کہ اگر چند آدمیوں کا علم برابر ہو اور اعتقاد میں اختلاف ہو پس مقلد کو چاہیے کہ یا تو سب کا کہنا مانے - ایسی حالت میں منافی اشیاء کا جمع ہونا لازم آئے گا یا بعض کا اعتقاد مانے اور بعض کا نہ مانے اور یہ اگر کسی وجہ ترجیح سے کیا ہے تو یہ ہی دلیل ہے اور اگر بلا کسی وجہ کے کیا ہے تو کسی چیز کو ترجیح دینا بلا کسی وجہ کے قبیح اور خلاف عقل ہو جائے گا۔ نیز

تقلید سے کسی بات کا یقین اور اعتقاد نہیں ہوتا بلکہ صرف ظن وگمان حاصل ہوتا ہے۔

نقلی قباحت (قرآن وحدیث سے) خداوند عالم نے اصول دین میں تقلید کی مذمت کی ہے جبکہ خداوند عالم نے کفار کا قول اصول دین میں تقلید کی مذمت کے لئے نقل کیا ہے اور فرمایا کہ وہ کفار کہتے ہیں اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآئَنَا عَلٰٓی اُمَّۃٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ مُّقْتَدُوْنَ (پارہ ۲۵۔ سورہ الزخرف رکوع ۲) یعنی ہم نے اپنے آبا واجداد کو ایک راستہ پر پایا اور ہم اُن کے نقش قدم پر بلا دلیل کے چل رہے ہیں جس کو اندھی تقلید کہتے ہیں یہیں سے ثابت ہوا کہ غور وفکر کی ضرورت ہے۔ نیز یہ کہ غور ونظر اور استدلال کی طرف توجہ دلائی ہے چنانچہ کلام مجید میں فرمایا ہے اِیْتُوْنِیْ بِکِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ ھٰذَآ اَوْ اٰثَارَۃٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ (پارہ ۲۶ سورہ احقاف۔ رکوع اول) یعنی اس سے پہلے والی کوئی کتاب ایسی لاؤ یا کوئی علم والی نشانی اگر سچے ہو۔

س[۱۶] - اگر کوئی اصول دین کو دلیل اور حجت سے نہ جانتا ہو گا تو کیا ہو گا۔

ج[۱۶] - ایسا شخص ایمان سے خارج سمجھا جاوے گا البتہ مسلمان کہا جائے گا لیکن

ج[۱۶] - اگر کوئی اصول دین کو بدلائل حکمیہ نہ جانتا ہو اور معتقد ہو عقائد حقہ مذہب اثنا عشریہ کا بدلیل اجمالی اقناعی تو مستحق جنت ہو گا مگر اُن مدارج عالیہ پر فائز نہ ہو سکیگا جن پر وہ شخص فائز ہو گا جو دلائل عقلیہ سے معتقد ہو اُن عقائد کا۔ سبط حسین

مستحق نجات نہ ہوگا بلکہ عذاب دائمی کا مستحق ہوگا۔

س۱۶۔ اگر کوئی مسلمان بلادلیل ان سب باتوں کو تسلیم کئے ہو تو پھر عذاب کا کیوں مستحق ہے۔

ج۱۶۔ اس سے قبل یہ ثابت ہو چکا کہ اصول دین کا جاننا دلیل اور حجت سے واجب ہے تاکہ مسلمان اقرار شہادتین کا کرنے والا مومن کہلانے کا مستحق ہو سکے جیسا کہ کلام پاک میں ہے قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا (پارہ ۲۶۔ سورہ حجرات رکوع ۱۳) یعنی جاہل عربوں نے کہا کہ ہم تو ایمان لائے ہیں اے نبی میرے کہدے کہ تم ایمان نہیں لائے اور مومن نہیں ہو بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے یعنی بلادلیل کے تسلیم کئے ہوئے ہیں۔ ایمان کی نفی اس وجہ سے کی گئی کہ خدا اور رسول کا اقرار دلیل اور حجت کے ساتھ نہ کیا تھا۔ اور جبکہ ثوابِ ایمان یقین کے ساتھ مشروط ہے تو جاہل معارف یقینہ مستحق عذاب دائمی کا ہوگا اس لئے کہ ہر مکلف جب کسی طرح سے بھی ثواب کا مستحق نہو گا تو عذاب کا مستحق ہوگا بالاجماع۔

س۱۸۔ اصول دین کے سمجھنے میں کس طرح کی دلیل کی ضرورت ہے۔

ج۱۸۔ صرف اس قدر دلیل و حجت کافی ہے کہ مکلف کو خود اطمینان ہو جاوے یہ ضرور نہیں ہے کہ دوسرے کو بھی اپنی دلیل سے معقول کر سکے مثلاً ایک

بوڑھیا سے پوچھا گیا تو کس طرح جانتی ہے کہ خدا موجود ہے اُس نے جھلا
کے جواب دیا کہ کس قدر بے عقل ہے تو ایسی بات پوچھتا ہے۔ دیکھ میں
جب تک اپنے چرخے کو حرکت ندوں وہ نہیں چلتا پس اس کل کائنات
کا چلانے والا کوئی نہو یہ کیسے ممکن ہے اور وہی خدا ہے پس اس قدر
دلیل اُس کے لئے کافی ہے کسی منطقی اور فلسفی دلیل کی ضرورت نہیں
حالانکہ انھیں مطالب کو اہل علم اصطلاحات علمیہ میں بیان کرتے ہیں۔
نوٹ:۔ یہی مضمون حدیث میں بھی آیا ہے تدیّنوا علیکُم بِدِینِ
العَجَائِز۔ یعنی تم کو لازم ہے کہ بوڑھیا عورتوں کی طرح یقین کے ساتھ دین اختیار
کرو۔ یعنی اپنی کسی دلیل تسکین دہ کے ساتھ اصول کو جانو۔

۳- مبحث توحید و وجود باری

س۱۹ - یہ کس طرح معلوم ہوا کہ خدا موجود ہے اور اگر وہ موجود نہ ہو تو کیا قباحت لازم آئے گی۔

ج۱۹ - ہر وہ بات جو عقل میں آتی ہے جب اُس کی طرف وجود خارجی کو ہم نسبت دیں یعنی علاوہ ذہن کے ہم اُس کو موجود کہیں تو تین صورتوں سے خالی نہیں یا تو وہ فی الحقیقت یعنی اپنی ذات کے لحاظ سے (۱) واجب الوجود خارج میں ہوگی یعنی وجود اُس کا ضروری ہے اور عدم ہو ہی نہیں سکتا۔ یا (۲) ممکن الوجود ہوگی یعنی عدم اور وجود اس کا برابر ہوگا اور یا (۳) ممتنع الوجود ہوگی یعنی عقل اُس کے وجود کو تسلیم نہیں کر سکتی اور وہ وجود ہو ہی نہیں سکتا اگر اُس کا وجود ممکن ہی نہیں ہے تو اُس کو ممتنع الوجود کہتے ہیں یعنی وہ ہرگز قابل وجود نہیں جیسے شریک باری تعالیٰ۔ پس معلوم ہوا کہ اگر وہ خارج میں موجود ہے تو اُس کی دو صورتیں ہیں یا تو اُس کا ہونا لازمی اور ضروری ہے یعنی عدم اُس پر ہو ہی نہیں سکتا تو اُس کو واجب الوجود کہتے ہیں جیسے خداوند عالم کا وجود اور اگر واجب الوجود نہیں ہے تو اُس کو

ممکن الوجود کہتے ہیں یعنی اُس کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہیں جیسے تمام
مخلوق - پس جبکہ تمام مخلوق ممکن الوجود ہوئے جس کا عدم و وجود برابر ہے
تو ضروری ہے کہ وہ اس وقت تک موجود نہیں ہو سکتی جب تک کوئی اس کا
وجود میں لانے والا اور پیدا کرنے والا نہو اور یہ خلق کرنے والا اگر خود واجب الوجود
نہ ہوگا تو یا دور لازم آئے گا یا تسلسل جو عقلاً محال ہے -

س۲۰ - دور اور تسلسل کس کو کہتے ہیں -

ج۲۰ - دور کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کا وجود خود اُسی کے وجود پر موقوف ہو مثلاً
زید کا وجود موقوف ہے بکر کے وجود پر اور بکر کا وجود موقوف ہے زید کے
وجود پر اور یہ یقیناً باطل ہے - کیونکہ ایک چیز موجود بھی ہو اور معدوم بھی ہو
ایک وقت معین میں یہ محال ہے اس لئے کہ جب زید کا وجود بکر پر
موقوف ہوگا تو جن چیزوں پر بکر کا وجود موقوف ہے اُن پر بھی زید کا وجود
موقوف ہوگا اور فرض کیا ہی کہ بکر کا وجود زید پر موقوف ہے تو زید کا وجود خود
زید پر موقوف ہوا اور یہ مسلم ہے کہ موقوف علیہ پہلے ہونا چاہئے اور موقوف بعد کو - تو زید ایک
وقت میں موجود بھی ہو اور معدوم بھی ہو یہ محال اور خلاف عقل ہے - تسلسل اس کو
کہتے ہیں کہ چند علتوں اور معلولوں کا اس طرح ترتیب پانا کہ پہلی چیز اپنے بعد کے
آنے والی چیز کے وجود کی علت ہو اور اس سلسلہ کی کوئی ابتدا نہ ہو جہاں ختم
ہو جائے بلکہ یہ سلسلہ الیٰ غیر النہایۃ جاری رہے اور یہ باطل ہے کیونکہ عقل انسانی
کسی ایسی سلسلہ کا تصور ہی نہیں کرتی جو کہیں پر ختم ہی نہو - اسکی علاوہ ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہر ایک

اِس پورے سلسلہ ممکنات کا ممکن ہوگا لہذا ہر ایک دوسرے موثر کا محتاج ہوگا کیونکہ امکان میں سب برابر ہیں پس وہ سب بھی کسی موثر کے محتاج ہوں گے پس یہ موثر یا تو خود ہی اُن کا نفس ہوگا یا جز اُن کا ہوگا یا کوئی غیر اُن کے علاوہ ہوگا جو اُن کل سے خارج ہوگا پس اگر ان کا نفس ہے تو کسی شئے کا اپنے نفس میں اثر کرنا محال ہے وگرنہ مقدم ہونا شئے کا اپنے نفس پر لازم آئے گا جیسا کہ بطلان دور میں ہم بتا چکے ہیں کہ موثر پہلے ہوتا ہے اور متاثر (اثر قبول کرنے والا) بعد کو (۲) اور جز بھی موثر نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ بھی نفس کا ایک حصہ ہے اس سے بھی مقدم ہونا جزو شئے کا اپنے نفس پر لازم آتا ہے یہ بھی باطل ہے (۳) یہ کہ خارج سے علاوہ ان کل کے کوئی اور موثر ہو اس کی دو صورتیں ہیں یا وہ واجب ہے یا ممکن ہے۔ پس اگر واجب ہے تو ہمارا مطلب حاصل ہے اور اگر ممکن ہے تو یہ خلاف فرض ہے کیونکہ ہم نے اس سلسلہ کو تمام ممکنات کا مجموعہ فرض کیا ہے لہذا جو علاوہ ان کل کے ہے وہ لامحالہ واجب ہوگا کیونکہ یہ تو جملہ کائنات سلسلہ ممکنات کا ہے۔ پس نہوگا علاوہ ان کے مگر واجب ہی یعنی ممکنات کے علاوہ جو ہوگا وہ لامحالہ واجب ہوگا اس لئے کہ سوائے واجب اور ممکن کے کوئی تیسری شے ہو نہیں سکتی لہذا مطلب ہمارا ثابت ہی کہ علت کل ممکنات کی واجب الوجود خدا وند عالم ہے۔ اس کے علاوہ

یہ کہ اس سلسلہ ممکنات میں ہر ہر فرد کے لئے ایک اور جداگانہ موثر ہو۔ جو اس سلسلہ سے خارج ہو ایسی حالت میں ایک چیز کے سلئے دو علتوں کا ہونا لازم ہوگا کیونکہ ایک موثر تو اس سلسلہ ممکنات میں ایک دوسرے کی علت فرض کی ہے اور پھر علاوہ اس کے دوسرا موثر تجویز کیا حالانکہ معلول ایک ہی ہے اور یہ بھی باطل ہے کیونکہ تم نے پہلے مانا ہے کہ ماقبل اپنے مابعد کا موثر ہو اور اب یہ بھی فرض کیا جاتا ہے کہ خارج سے بھی کوئی اور موثر ہو پس ایک معلول کے لئے دو مستقل علتیں ہو جائیں گی وہ محال ہے اور معلول کی بے پرواہی دونوں سے ہو جاوے گی کیونکہ جب ایک علت کی طرف محتاج ہوگا تو دوسرے سے مستغنی ہوگا اور جب اُس کا محتاج ہوا تو اس پہلے سے بے پرواہ ہوگا حالانکہ وہ دونوں کا محتاج ہے پس دو نقیضین آپس میں جمع ہو جاویں گے۔ پس تسلسل باطل ہوا۔ جب دور اور تسلسل باطل اور محال ہیں تو وجوب واجب ثابت ہے۔

س ۲۱ - عالم کس کو کہتے ہیں۔

ج ۲۱ - ہر موجود ماسوائے خدا کے عالم میں داخل ہے۔

س ۲۲ - حادث کس کو کہتے ہیں۔

ج ۲۲ - حادث اُس کو کہتے ہیں کہ جو مسبوق بالعدم ہے یعنی اُس کے وجود میں کوئی غیر اُس سے قبل ہو یا عدم ہو۔

س ۲۳ - قدیم کس کو کہتے ہیں۔

ج۲۳ - جس کے وجود سے پہلے عدم نہو یعنی حادث کی ضد قدیم ہے -

صفات ثبوتیہ

س - جب یہ ثابت ہے کہ واجب الوجود کا ہونا ضروری ہے اور خدا موجود ہے تو وہ کیسا ہونا چاہیے۔

ج - اُس میں کل صفات کمال کا ہونا اور کل برے صفات سے اُس کا مبرا ہونا ضروری ہے جن کو ثبوتیہ اور سلبیہ کہتے ہیں -

س - واجب الوجود میں کیا صفات ہونی چاہییں اور کیا نہ ہونی چاہییں -

ج - خدا کے صفات ثبوتیہ بہت کثرت سے ہیں مگر عام طور سے بلحاظ اہمیت آٹھ صفات ثبوتیہ ذکر کیے جاتے ہیں - جو اُس کی ذات میں ہونا ضروری ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں :-

(۱) قادر مختار ہے یعنی جس چیز کو جب چاہتا ہے کرتا ہے اور جس چیز کو نہیں چاہتا نہیں کرتا ہر وہ چیز جو تعلق قدرت کے قابل ہے اس کے احاطہ اختیارات سے باہر نہیں اور ایسا نہیں ہے کہ وہ ایجاد اور خلق اشیاء میں مجبور ہو جیسا کہ آگ جلانے میں اور آفتاب روشنی دینے میں مجبور ہے وہ ایسا نہیں ہے یعنی وہ طاقت و قدرت کا مالک ہے اور بے اختیاری میں اُس سے چیزیں پیدا نہیں ہوتیں نہ کسی دوسرے

ذریعہ سے طاقت اور قدرت اُس میں آئی ہے۔

(۲) عالم ہے یعنی ہر چیز جس سے علم متعلق ہو سکتا ہے اُس کا عالم ہے اور یہ علم اُس کا عین ذات ہے نہ کہ اُس کی ذات کی صفت جو الگ سے آئی ہو یعنی ذات اور علم ایک ہے۔

(۳) حَیّ - یعنی زندہ ہے - جب قادر مختار عالم ہے تو زندہ ہونا لازمی ہے یعنی جو مفاد ہم کو اپنی حیات سے محسوس ہوتا ہے وہ سب اُس کی ذات میں بوجہ اتم موجود ہے۔

(۴) مرید اور کارہ ہے یعنی خداوند عالم اپنے ارادے اور اختیار سے ہر امر کرتا اور نہیں کرتا ہے اس لئے کہ کسی امر یا کسی شئے کا ایک وقت میں ہونا اور ایک وقت میں نہ ہونا کسی وجہ کو چاہتا ہے پس وہی ارادۂ مصلحت ہے نیز کسی چیز کا حکم دینا اور کسی بات سے روکنا مستلزم ہے ارادہ اور کراہت کو کیونکہ جس میں خوبی اور مصلحت ہے اُس کا حکم دیا اور جس میں خرابی ہے اُس سے روکا۔

(۵) مدرک (سمیع و بصیر) ہے یعنی ہر چیز کو پہچانتا ہے بلا آلات دریافت کے انسان حواس خمسہ سے ادراک کرتا ہے - لیکن خداوند عالم بلا آلات حواس کے ہر چیز کا مدرک ہے بلا آنکھ کے ہر شئے کو دیکھتا ہے - اور بلا کان کے سُنتا ہے - کیونکہ اُس کی ذات جسم و جسمانیت سے مُبرّا ہے۔

جبکہ خداوند عالم قادر و مختار ہے ان صفات کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن یہ امور وجوب وجود کے لیئے لازم ہیں اس لیئے کہ جو ہستی واجب الوجود ہے اگر اُس میں ہمہ صفات نہوں تو نقص لازم آویگا۔

(۶) قدیم ازلی۔ باقی۔ ابدی ہے۔ قدیم اور ازلی وہ ہے جس پر عدم کسی حالت میں بولا نہ گیا ہو یعنی جس قدر زمانہ گزرا اُس میں وہ موجود تھا۔ باقی وہ جو ہر زمانہ میں موجود ہو۔ اور ابدی وہ جو آیندہ کے کل زمانہ میں رہے۔ اور سرمدی سب کو عام ہے یعنی اُس پر کبھی عدم و ہستی بولی ہی نہیں جاتی لہذا وہ قدیم باقی ازلی ابدی ہے یعنی خداوند عالم ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا ہر زمانہ میں بھی موجود تھا اور زمانہ کے وجود سے پہلے بھی موجود تھا اور چونکہ وہ واجب الوجود ہے کسی وقت میں بھی اُس کا عدم نہیں ہو سکتا خواہ زمانہ ماضی ہو یا مستقبل یا حال

(۷) متکلم یعنی وہ موجد کلام ہے یعنی جس چیز میں چاہے کلام کو پیدا کر دے اور وہ بول اُٹھے جیسا کہ حضرت موسیٰ کے لیئے درخت بولا۔ جبکہ ذات واجب جسم و جسمانیات سے مبرا ہے وہ ہماری طرح متکلم کیسے ہو سکتا ہے جیسا کہ عقیدہ بعض دیگر فرق اسلامیہ کا ہے کہ وہ متکلم اپنی آواز اور حروف سے ہے۔ حالانکہ یہ حادث ہیں۔ لیکن یہ حضرات الفاظ اور حروف کو بھی قدیم مانتے ہیں یعنی کئی قدیم کے قائل ہیں جو خلاف عقل ہے اور باعث کفر ہے کیونکہ سوائے خدا کے دوسری چیز کو

قدیم ماننا کفر ہے۔

(۸) صادق ہے۔ یعنی سچا ہے۔ اگر سچا نہو گا تو کاذب ہو گا اور کذب قبیح ہے۔ اور ذات واجب الوجود تمام قبایح سے مُبرّا ہے۔ وگرنہ نقص لازم آئے گا۔

صفات سلبیہ

س۔ صفات سلبیہ کس کو کہتے ہیں اور وہ کس قدر ہیں۔

ج۔ صفات سلبیہ اُن کو کہتے ہیں جو خدا میں ماننے سے نقص لازم آتا ہے اور سلبیہ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ صفات اُس میں نہیں ہیں اور وہ سات ہیں۔

(۱) مرکب نہیں ہے اور اگر مرکب ہو تو اپنے جزو کا محتاج ہو اور محتاج واجب الوجود نہیں ہو سکتا۔

(۲) جسم[ف۱] نہیں ہے۔ عرض[ف۲] نہیں ہے۔ جوہر[ف۳] نہیں ہے اگر ایسا ہو تو

ف۱ جو چیز تقسیم ہو جاوے وہ جسم ہے وگرنہ جوہر اور بعض متکلمین نے کہا ہے کہ جو ایک جہت میں تقسیم ہو جائے اُس کو خط کہتے ہیں اور جو دو جہتوں میں تقسیم ہو سکے وہ سطح ہے اور جو طول عرض عمق میں تقسیم ہو جاوے وہ جسم ہے۔

ف۲ عرض اُس کو کہتے ہیں جو خود قائم نہ ہو بلکہ دوسرے کی وجہ سے اُس کی ہستی قائم ہو۔

ف۳ جوہر وہ ہے جو خود موجود ہو اور کسی دوسری چیز میں ہو کر موجود نہ ہو۔

مکان کی ضرورت ہوگی اور حوادث سے اُس کی علٰحدگی ممکن نہوگی اور جب
حوادث سے جدائی، ممکن نہوگی اور مکان وغیرہ کی ضرورت ہوگی تو حادث
ہو جاوے گا حالانکہ وہ واجب الوجود ہے اور یہ ممکن نہیں کہ واجب بھی
ہو اور حادث بھی۔ نہ اُس کے لیے، محل اور جگہ ہے۔ قادر نہ رہے گا
عاجز ہو جاوے گا۔ نہ اُس کو خوشی ہوتی ہے اور نہ رنج نہ کسی میں حلول
کرتا ہے اور نہ وہ کسی سے متحد ہوتا ہے کہ ملکر ایک ہو جائے۔ جیساکہ
عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ خدا۔ روح القدس اور حضرت عیسیٰؑ میں ملکر
ایک ہو گیا۔

نوٹ:۔ اتحاد دو قسم کا ہوتا ہے۔ حقیقی اور مجازی۔ مجازی اُس کو
کہتے ہیں کہ کوئی شئے بدل کر کچھ اور بنجائے بغیر کسی ملاؤ کے۔ جیساکہ پانی
ہوا ہو جاوے یا ہوا پانی بنجاوے یا کسی چیز کے ملنے سے جیسے کہ مٹی
کیچڑ ہو گئی بسبب پانی ملنے کے۔ اور اتحاد حقیقی وہ ہے کہ دو چیزوں کا
ملکر ایک شئے اس طرح ہو جانا کہ دونوں موجود اور ممتاز رہیں جو عقلاً محال
ہے۔ جب یہ اصول مقرر ہے تو مجازی اتحاد ماننے سے محل کون و فساد
ذات باری تعالیٰ بنجائے گی۔ جس میں تغیر ہوتا رہے گا جو قطعاً محال
ہے اور دوم یعنی اتحاد حقیقی جیساکہ بعض نصاریٰ کہتے ہیں کہ خدا مسیح سے
متحد ہو گیا۔ یا جیساکہ نصیری کہتے ہیں کہ خدا علی سے متحد ہو گیا یا صوفی

کہتے ہیں کہ خدا عارفین سے متحد ہو جاتا ہے۔ یہ سب باطل ہے اس لئے
اگر یہ دونوں ملکر بھی دونوں موجود ہیں تو اتحاد سے کیا فائدہ ہوا کیونکہ وہ
ایک نہیں ہوئے دو ہی رہے اور اگر مل کر ایک ہو گئے تو بھی اتحاد نہیں
ہوا۔ کیونکہ دونوں معدوم ہو گئے اور ایک تیسری چیز بن گئے اور اگر ایک
معدوم ہو گیا اور ایک موجود رہا تو بھی اتحاد نہیں رہا کیونکہ معدوم موجود سے
متحد نہیں ہو سکتا یعنی اتحاد حقیقی دو چیزوں کا ممکن ہی نہیں۔
(۳) محل حوادث نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنے غیر سے منفعل نہیں ہو سکتا
کہ کوئی چیز اُس پر طاری ہو یہ نقص ہے اور وہ تمام نقائص سے بری ہے۔
(۴) مرئی نہیں ہے۔ یعنی قابل دکھائی دینے کے نہیں ہے کیونکہ ہر
چیز جو نظر آتی ہے وہ ضروری جسم ہوتا ہے اور خدا کے جسم نہیں ہے اور
وہ جسم و جسمانیت سے مُبرا ہے علاوہ اس کے جو چیز نظر آتی ہے وہ
کسی کے مقابل ہوتی ہے یا حکم میں مقابل کے ہوتی ہے پس اُس کے
لئے سمت اور جہت لازم ہو گی اور جب سمت ہوئی تو جسم ہوگا اور وہ
محال ہے۔ علاوہ بریں خود خداوند عالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے
فرمایا لَنْ تَرَانِیْ (پ ۹ ۔ رکوع ۷ سورہ اعراف) یعنی ہرگز ہرگز اے
موسیٰ تم نہیں دیکھ سکتے لَنْ ہمیشہ کی نفی کے لئے آتا ہے یعنی نہ دنیا نہ
آخرت کہیں نہیں دیکھ سکے گا اور یہ بھی ارشاد باری ہے لَا تُدْرِکُهُ

الْاَبْصَارَ (پ ۷ - رکوع ۱۹) یعنی نظریں اُسے نہیں دیکھ سکتیں اور وہ نظروں کا ادراک کرتا ہے اور جہاں کہیں کلام باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ میں اس قسم کی آیات ہیں جن سے رویت باری تعالیٰ یا جسم و جسمانیت کا شبہہ ہوتا ہے اُن کی تاویل دوسری ہے جو کتب تفسیر کے دیکھنے سے واضح ہو جاتی ہیں کہ کہیں پر محاورۂ زبان ہے اور کہیں معنی مجازی مراد ہیں اس مختصر رسالہ میں اُن کے تذکرہ کی گنجائش نہیں۔

(۵) اُس کا شریک نہیں ہے ع "خلل خدائی میں پڑتا جو دو خدا ہوتے" ایک کچھ کہتا دوسرا کچھ اور یہ دنیا پیدا نہو سکتی لَوْ کَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (پارہ ۱۷ رکوع ۲ سورۃ الانبیا) اگر زمین اور آسمان میں دو خدا ہوتے تو فساد برپا ہو جاتا۔ اگر دو ہوتے ایک کہتا میں خلق کروں گا دوسرا انکار کرتا۔ اگر دونوں کا عمل ہوا تو اجتماع ضدین لازم آتا ہے۔ اور اگر دوسرا پہلے کا کہا مان لیتا ہے تو دوسرا مجبور ہے اور پہلے کا ماتحت اور اُس کا وجود محض لغو۔ اور اگر پہلا دوسرے کا کہنا مان لیتا ہے، تو پہلا مجبور ہے اور دوسرے کا ماتحت۔

(۶) اُس پر معانی اور احوال صادق نہیں آتے۔ یعنی وہ قادر قدرت کی وجہ سے اور عالم علم کی وجہ سے اور حیّ حیات کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ وہ قادر بذاتہٖ اور عالم بذاتہٖ اور زندہ و موجود بذاتہٖ ہے اور اگر ایسا نہو

تو اپنی صفات کا محتاج ہوگا کیونکہ یہ معانی اور احوال اُس کی ذات کے مغائر ہیں اور اپنے غیر کی طرف جو محتاج ہو وہ ممکن ہے پس وہ ممکن ہو جاوے گا اور واجب الوجود نہ رہیگا۔

(۷) محتاج نہیں ہے نہ ذات میں نہ صفات میں کیونکہ وجوب وجود کا مخصوص ہونا اُس کی ذات سے اسی کا مقتضی ہے کہ اُس کو استغنا ہر شَیۡ سے ہو اور ہر شَے اُس کی محتاج ہو پس اگر محتاج ہوگا تو ممکن ہو جاوے گا۔

۴۔ عدل

یعنی خدا عادل ہے ظالم نہیں نہ ظلم کو دوست رکھتا ہے

س۔ عدل کے کیا معنی ہیں اور عدل سے کیا مراد ہے۔

ج۔ ذات واجب الوجود کا پاک اور منزّہ ماننا بُرے کام کرنے سے اور بہتر و ضروری واجب کام میں خلل ڈالنے سے۔ یعنی کوئی کام خلاف انصاف نہیں کرتا اور ہر کام وقت و محل پر کرتا ہے یعنی خداوند عالم عادل ہے اور کسی ضروری واجب بہتر کام کو ترک نہیں کرتا اور فعل قبیح اُس سے سرزد نہیں ہوتا۔

س۔ خداوند عالم کے جب تمام صفات بیان ہو چکے تو عدل کو علٰحدہ بیان کرنے میں کیا فائدہ۔

ج۔ ذات احدیت کے متعلق جو صفات اوپر بیان ہوئے وہ ذات خدا سے متعلق تھے اور عدل صفت ہے فعل خدا کی کہ ہر کام اُس کا عدل پر مبنی ہے۔ اور چونکہ فرق اسلامیہ میں اِس صفت کے متعلق باہم اختلاف ہی اور

اُس کے متعلق بہت سے اہم مباحث ہیں اس لئے صفت فعل خدا خاص طور پر علیحدہ بیان کی گئی نیز یہ کہ عدل کے اعتقاد نہونے سے پوری شریعت باطل ہو جاتی ہے اور اصول دین سے وہی باتیں مراد ہیں جن کے انکار سے پوری شریعت باطل ہو جاتی ہے اسی وجہ سے عدل کو اصول دین میں اصل مستقل قرار دیا گیا ہے۔

س۔ وہ اہم مباحث کیا ہیں جس کی وجہ سے عدل صفت، فعل خداوند عالم کو علیحدہ خاص طور پر اصول دین میں رکھنا پڑا۔

ج۔ جو مباحث صفت عدل سے متعلق ہیں وہ کئی ہیں۔

مبحث اول یہ کہ حسن و قبح اشیاء کا عقلی ہے یعنی ہر چیز کا اچھا یا بُرا ہونا عقل کی رو سے ہے شرعاً نہیں ہے کیونکہ جب تک ہم کو اچھے اور بُرے کام کا امتیاز نہوگا تو عدل کو کیسے پہچانیں گے۔ پہلے جاننا چاہئیے کہ عام طور سے جو کام اور عمل انسان سے صادر اور واقع ہوتا ہے اُس کی دو حالتیں ہیں یعنی اُس کا کوئی اچھا یا بُرا پہلو نکلتا ہے یا نہیں۔ جس کے لئے اچھا یا بُرا وصف نہیں نکلتا اُس کی مثال یہ ہے کہ جیسے بھولا ہوا آدمی یا سوتا ہوا آدمی جو حرکت کرے کوئی سمجھدار اُس کے فعل کو اچھا یا بُرا نہیں کہہ سکتا یعنی اُس کے لئے کوئی صفت زائد نہیں ہے اور جس کے لئے کوئی اچھا یا بُرا پہلو نکلے اُس کی بھی دو صورتیں ہیں یا یہ کہ عقل اُس کام

سے نفرت کرے (اُس کو قبیح کہتے ہیں) یا عقل نفرت نہ کرے۔ جس سے عقل نفرت نہ کرے اُس کی بھی دو حالتیں ہیں یا اُس کام کا کرنا نہ کرنا برابر ہو (اُس کو مباح کہتے ہیں) یا ترک فعل مساوی نہ ہو بلکہ کوئی طرف راجح ہو پس اگر نہ کرنا راجح ہے تو اگر اُس کی نقیض یعنی کرنے کی ممانعت ہے تو (اُس کو حرام کہتے ہیں) وگرنہ (مکروہ) ہے اور اگر اُس کا فعل یعنی کرنا راجح ہے پس یا ترک کرنا اُس کا منع ہے تو وہ (واجب ہے) یا وہ جائز الترک ہے یعنی اُس کو چھوڑ سکتے ہیں تو اُس کو (مندوب یا سنت) کہتے ہیں یعنی ایسے کاموں کے لئے کوئی اچھائی یا بُرائی کی صفت ہوتی ہے اسی کے ماتحت جملہ شرعی احکام آجاتے ہیں۔

جب یہ سمجھ لیا تو یہ معلوم کرنا چاہیے کہ حسن قبح تین معنوں پر بولا جاتا ہے
ایک[۱] یہ کہ کسی چیز میں کمال کی صفت ہو جیسے ہم کہتے ہیں کہ علم خوب ہے یا نقص کی صفت ہو جیسے ہم کہتے ہیں کہ جہالت بُری ہے۔

دوسرے[۲] یہ کہ کسی شے کا مناسب طبع اور خوشگوار یا منافی و ناگوار طبع ہونا کہ خوشگوار کو اچھا اور ناگوار کو بُرا کہتے ہیں جس طرح مزے دار و لذت والی چیزیں اچھی معلوم ہوتی ہیں اور رنج و ناگوار اور تکلیف دینے والی چیزوں کو بُرا کہا جاتا ہے۔

تیسرے[۳] یہ کہ حسن (خوب) وہ ہے جس کے کرنے پر وقتی تعریف اور

ثواب موعود کا مستحق ہو اور قبیح وہ ہے کہ جس کے کرنے سے وقتی مذمت اور عذاب موعود کا مستحق ہو۔

حسن وقبح اپنے پہلے اور دوسرے معنوں کے اعتبار سے بلا اختلاف عقلی ہیں کیونکہ ان چیزوں کی اچھائی اور برائی کا فیصلہ عقل کرتی ہے لیکن تیسرے معنی کے اعتبار سے بھی فرقہ معتزلہ اور امامیہ کے نزدیک حسن وقبح اشیاء عقلی ہیں البتہ فرقہ اشاعرہ اس اعتبار آخری سے حسن و قبح کو صرف شرعی کہتے ہیں اور اُن کے نزدیک عقل کو اُس میں دخل نہیں ہے حالانکہ جو خوب ہے وہ اپنے مقام پر خوب ہے اور جو زشت اور بُرا ہے وہ اپنے مقام پر بُرا ہی ہے خواہ شرع اُس کا حکم دے یا نہ دے کیونکہ استحقاق وقتی مدح یا مذمت کا عقل ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوگا اور فرقہ امامیہ نے اس کو چند دلیلوں سے ثابت کر دیا ہے۔ جن میں سے بعض یہ ہیں :-

(۱) یہ کہ بعض افعال کی خوبی یا بُرائی ظاہری اور بدیہی طور سے جانتے ہیں جیسے نفع پھونچانا۔ سچ بولنا اور انصاف و احسان کرنا اور امانت کا واپس دینا اور جو ہلاک ہو رہا ہو اُس کو بچانا کہ ایسی چیزوں کی خوبی میں کسی کو کلام نہیں اور جیسے ضرر پھونچانے والا۔ جھوٹ بولنا اور ظلم کرنا اور بلا وجہ کسی کے ساتھ بُرائی کرنا کہ اِن چیزوں کی بُرائی میں کسی کو شک و شبہ نہیں اور

اس لئے یہ باتیں انسان کی فطرت۔ خلقت اور جبلّت میں داخل ہیں۔
پس بیشک جب ہم کسی سے کہیں گے کہ اگر تم فلاں امر کو سچ کہو گے جب بھی تم کو ایک دینار (اشرفی ملیگی) اور اگر جھوٹ کہو گے تب بھی تم کو دینار دیں گے اور اُس کو ہمارے کہنے کا یقین ہو جائے کہ سچ اور جھوٹ اُس کے نزدیک برابر ہے اور دونوں صورتوں میں اُس کو برابر نفع پھونچے گا تو وہ محض اپنی سمجھ سے سچائی کی طرف مائل ہوگا اِس سے معلوم ہوا کہ عقل سچ بولنا اچھا اور جھوٹ بولنا بُرا سمجھتی ہے۔

(۲) یہ کہ اگر اچھائی اور بُرائی کا ادراک محض شرع سے ہو تو لازم آتا ہے کہ بلا شرع حسن و قبح نہ پائے جائیں حالانکہ یہ باطل ہے کیونکہ جن لوگوں کو شرع سے تعلق نہیں ہے وہ بھی اچھائی اور بُرائی کا حکم چیزوں پر لگاتے ہیں۔

(۳) یہ کہ اگر عقلی حسن و قبح نہیں تو شرعی حسن و قبح بھی منتفی ہو جائیں گے اس لئے کہ اگر عقل کی رو سے ہم جھوٹ کی بُرائی کو نہیں سمجھتے ہیں تو شارع علیہ السلام پر بھی ہم جائز سمجھیں گے جس سے اُن کے قول پر وثوق نہ رہے گا کہ جس کو اُنھوں نے اچھا بتایا وہ اچھی ہوگی اور جس کو بُرا کہا وہ بُری یعنی جھوٹ بولنا عقلاً بُرا ہے اور سچ بولنا عقلاً اچھا ہے اور یہ اچھائی اور بُرائی عقلی ہے شرعی نہیں ہے کیونکہ جب تک شرع سے جھوٹ کی

بُرائی نہیں معلوم ہوتی تھی معجزہ دیکھنے کے بعد کونسا امر ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم اُس کی تصدیق کریں اور شارع کو سچا جانیں۔ پس شارع کا تصدیق کرنا اور سچا سمجھنا محض عقل کا حکم ہوا۔

تنبیہ:۔ ہر شے کی بُرائی اچھائی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معمولی عقل والا بھی سمجھ لیتا ہے جیسا سچ بولنے کی اچھائی اور جھوٹ بولنے کی بُرائی اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ذرا غور و فکر سے معلوم ہوتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عقل وہاں تک نہیں پہونچتی۔ خداوند عالم نے جو بات فی نفسہ اچھی تھی اُس کے بجالانے کا حکم دیا اور جو شے فی نفسہ بُری تھی اُس کے کرنے سے منع کیا عام عقل میں اگر کسی چیز کا حسن و قبح نہ معلوم ہو سکے تو واقعیت حسن و قبح پر کوئی اثر نہیں پڑتا پس یہاں شارع علیہ السلام سے جس کا حسن و قبح معلوم ہو اُس پر یقین کرنا عاقل کا فرض ہے۔

مبحث دوئم انسان اپنے فعل کا مختار ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو خداوند عالم کا تکلیف دینا عبث اور بیکار ہوگا اور بندہ مکلف نہ رہے گا۔ اور کوئی گناہ۔ گناہ نہ رہے گا اور نیک کاموں کا حکم اور بُرے کام سے منع کرنا یہ بھی عبث اور بیکار ہو جاوے گا اور خداوند عالم پر قبح لازم ہوگا کہ خود ہی تو بندہ کو برے فعل پر مجبور کرے اور پھر عذاب کرے۔ شیعوں کا اس کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ جہاں تک انسان کا ارادہ و اختیار کام کرے اور

طاقت اور قدرت اُس کا ساتھ دے وہ سب اُس کے اختیاری افعال ہیں اور جس میں انسان کی طاقت اور قدرت کام نہ دے اُس میں البتہ مجبور ہے مثل بیماری۔ صحت۔ موت اور زندگی کے جیسا کہ امام رضا علیہ السلام نے جواب دیا ہے اُس شخص کا جس نے پوچھا ہے کہ فرمائیے کہاں تک بندہ کا اختیار ہے اور کس حد تک وہ اپنے افعال کا ذمہ دار ہے حضرت نے جواب میں اُس سے کہا کھڑا ہو جا وہ کھڑا ہو گیا حضرت نے فرمایا ایک پاؤں اُٹھا لے اُس نے ایک پیر بھی اُٹھا لیا پھر حضرت نے فرمایا کہ دوسرا پاؤں بھی اُٹھا لے اب اُس نے کہا کہ یہ تو ممکن نہیں فرمایا بس یہاں تک تیرا اختیار ہے اور باقی تیرے اختیار سے باہر ہے یعنی اعضاء و جوارح عقل و جسم اگرچہ مخلوق خداوندی ہیں لیکن صدور فعل اُن سے بندہ کی طرف سے ہوتا ہے اور جہاں تک بندہ کی طاقت یارا دے اُس کا وہ ذمہ دار ہے۔

اِس موقعہ پر حکایت بہلول علیہ الرحمۃ کی جو قاضی نور اللہ شوشتری علیہ الرحمۃ نے مجالس المومنین میں تحریر فرمائی ہے قابل ذکر ہے کہ ایک روز بہلول علیہ الرحمۃ جو علماء کاملین شیعہ سے تھے اُن کا گذر امام ابو حنیفہؒ کے مکان کی طرف ہوا جہاں وہ اپنے شاگردوں سے کہہ رہے تھے کہ میرے اُستاد امام جعفر صادق علیہ السلام تین ایسی باتیں فرماتے ہیں کہ جن کو میں پسند

نہیں کرتا اور میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اوّل یہ کہ شیطان آگ سے عذاب کیا جاویگا حالانکہ وہ خود آگ سے پیدا کیا گیا ہے آگ کس طرح اُس کو اذیت پہونچا سکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ خدا کو ہم نہیں دیکھ سکتے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز موجود ہے اور نظر نہ آوے۔ تیسرے یہ کہ بندہ اپنے فعل کا خود فاعل و مختار ہے حالانکہ اُس کے خلاف آیات و احادیث یعنی نص موجود ہے۔

جب یہ آپ نے سُنا تو ایک ڈھیلا زمین سے اُٹھایا اور ابو حنیفہ کے مار کے بھاگے یہ ڈھیلا امام ابو حنیفہ کی پیشانی پر لگا اور درد محسوس ہونے لگا شاگردوں نے دوڑ کر بہلول کو پکڑ لیا چونکہ بہلول خلیفہ کے داماد تھے مار تو سکتے نہ تھے مجبوراً خلیفہ کی خدمت میں لائے اور شکایت کی۔ بہلول نے فرمایا کہ میں نے کیا کیا ہے کہا کہ ڈھیلا مارا ہے اور میرا سر درد کرتا ہے آپ نے فرمایا کہ درد مجکو دکھلاؤ ابو حنیفہ نے کہا کہ درد بھی کہیں نظر آسکتا ہے۔ پس آپ نے فرمایا کہ تمھارا قول تو یہ ہے کہ جو چیز موجود ہوتی ہے دکھائی دیتی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام پر کیوں اعتراض کرتے ہو کہ جب خدا موجود ہے تو کیوں نہ دکھائی دیگا دوسرے یہ کہ تم بھی خاکی ہو اور ڈھیلا بھی خاک کا تھا پس خاک کو خاک کیا اذیت پہونچا سکتی ہے تیسرے تمھارا قول ہے کہ بندہ مجبور ہے پس اگر ایسا ہے تو مجھے خلیفہ

کے پاس لانے سے کیا فائدہ ابوحنیفہ نے جب جواب معقول پائے اور رد نہ کر سکے تو شرمندہ ہوکر دربار سے چلے گئے۔

احتجاج طبرسی علیہ الرحمۃ میں مروی ہے کہ ابوحنیفہ مدینہ میں ہمراہ عبداللہ ابن مسلم کے آئے عبداللہ نے کہا کہ اس شہر میں امام جعفر صادق علیہ السلام ابن محمد علماء آل محمد میں سے ہیں وہاں چلو تاکہ کوئی علمی مسئلہ اُن سے حاصل کریں جب دونوں حضرت کے دولتسرا پر پہونچے دیکھا کہ شیعوں کا ایک مجمع وہاں اِس اُمید پر بیٹھا ہوا ہے کہ حضرت خود باہر تشریف لائیں یا اُن کو بلائیں پس اتنے میں ایک بچہ باہر آیا جس کو دیکھ کر بوجہ اُس کی ہیبت کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے ابوحنیفہ نے ابن مسلم سے دریافت کیا کہ یہ بچہ کون ہے جواب دیا کہ یہ موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام ہیں کہا بخدا میں اِس کے شیعوں کے سامنے اِس کو خفیف کرتا ہوں۔ ابن مسلم نے کہا خاموش رہ تیری یہ مجال نہیں ابوحنیفہ نے باصرار کہا کہ میں ضرور ایسا کرونگا پس حضرت کی طرف متوجہ ہوا اور براہ استخفاف اُن سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص آپ کے شہر میں نووارد ہو اور اُس کو قضاء حاجت یعنی پاخانہ پیشاب کی ضرورت ہو تو کیا کرے آپ نے جواب دیا کہ علٰحدہ گوشہ میں چھپ کر عام راہوں۔ جاری چشموں اور دریا نہر کے گھاٹوں اور پھلوں کے گرنے کی جگہ۔ قبلہ رُخ اور پشت بہ قبلہ سے بچ کر جہاں چاہے اپنی

قضاء حاجت پوری کرے جب جواب شافی پایا تو اپنے خیال ناقص
کے مطابق مسئلہ دقیق کی طرف توجہ کی کہ اے بچے گناہ کس کی طرف
سے ہوتا ہے پس حضرت نے جواب میں فرمایا کہ گناہ کا سرزد ہونا تین
صورتوں سے خالی نہیں (۱) یہ کہ گناہ منجانب خدا ہے اور بندہ کا
اُس میں کچھ دخل نہیں ہے پس سزاوار نہیں ہے کہ پروردگار کریم بندہ
کو عذاب کرے جس میں اُس کا دخل نہیں ہے اور مجبوری اُس نے
وہ کام کیا۔ دویم یہ کہ بندہ اور خدا دونوں کی شرکت سے صادر ہوتا ہے
پس یہ سزاوار نہیں ہے کہ قوی شریک اپنے کمزور شریک پر ظلم کرے
اور اپنی شرکت سے ظلم کرا کے پھر اُس کو سزا دے۔ تیسرے یہ کہ صرف
بندہ سے گناہ سرزد ہوتا ہے اور ایسا ہی ہے پس مالک چاہے سزا دے
اُس گناہ کے عوض یا اپنے کرم سے اُس کو بخشدے۔ یہ سنکر ابو حنیفہ مبہوت
ہو گیا گویا کسی نے مُنہ میں پتھر بھر دئے۔ ابن مسلم نے کہا میں نے تم سے
نہیں کہا تھا کہ اولاد رسول کے مقابلہ کی طاقت کسی میں نہیں علم و فضل
اُن کا سب سے بڑھا ہوا ہے۔

غرض بندہ فاعل مختار ہے اور ضرورت و ہدایت بھی یہی چاہتی ہے
کیونکہ بدیہی فرق ہے انسان کے کوٹھے سے گرنے میں اور بے اختیار خود
کسی ذریعہ سے اُترنے میں کہ جب ہم خود اپنے ارادہ و اختیار سے نیچے

آلے ہیں تو ہمارا قصد و اختیار کام دیتا ہے اور ضرر سے محفوظ رہتے ہیں
اگر انسان بے اختیار خود نہوتا اور مجبور ہوتا تو گرنے اور اُترنے میں کوئی فرق
نہ ہوتا علاوہ بریں قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے کہ بندہ اپنے فعل کا ذمہ دار
ہے ورنہ ثواب و عذاب لغو ہو جاوے گا۔

مبحث سوم صدور قبیح خداوند عالم سے محال ہے یعنی یہ کہ جناب
باری عز اسمہ سے کوئی فعل قبیح سرزد نہیں ہوتا نہ اُس کا ارادہ کرتا ہے جب
یہ ثابت ہو گیا کہ حسن و قبح اشیا عقلی ہیں تو جس چیز کو عقل قبح کہتی ہے
واجب الوجود سے اگر صادر ہو گی تو نقص لازم آئے گا کیونکہ بُرا کام کوئی جب
ہی کرتا ہے کہ یا تو اُس کی بُرائی کو جانتا نہو یا جانتا ہو مگر اُس پر قدرت نہ
رکھتا ہو یا قدرت رکھتا ہو مگر اُس کو اُس کام کی خاص ضرورت ہو یا ضرورت
بھی نہ ہو مگر کوئی شخص اُس کو مجبور کرے اور خدا عالم ہر چیز کا ہے اور ہر ممکن
پر قدرت رکھتا ہے اور کوئی احتیاج اور ضرورت بھی اُس کو نہیں ہے
اور اُس کو کوئی شخص مجبور نہیں کر سکتا ہے وہ غنی بالذات ہے لہذا محال
ہے کہ وہ قبیح یا ارادہ قبیح کا کرے کیونکہ ارادہ قبیح کا بھی قبیح ہے نیز اگر قبیح
بات کا اُس پر تجویز کرنا صحیح ہو تو نبیوں کی تصدیق نہیں ہو سکتی کیونکہ ممکن ہے
کہ اُس نے کسی جھوٹے کو معین کر دیا ہو۔

مبحث چہارم خداوند عالم کا ہر کام غرض اور مصلحت پر مبنی ہے

کیونکہ وہ حکیم ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرماتا ہے اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۔ (پارہ ۱۸ رکوع ۶ سورہ مومنون)
کیا تمھارا یہ گمان ہے کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا ہے اور کیا تم ہماری طرف لوٹ کر نہ آؤ گے ۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ۔[1] وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ بَاطِلًا ۔[2] وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۔ (پارہ ۲۵ سورۃ دخان رکوع ۱۵) ترجمہ یعنی ہم نے جن و انس کو عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے اور آسمان و زمین کو بیکار نہیں پیدا کیا اور آسمان و زمین کو کھیل کی طرح نہیں بنایا ہے یہ گمان کافروں کا ہے ۔

نیز اگر مصلحت اور غرض شامل نہ ہو تو بیکار اور عبث لازم آئے گا اور وہ قبیح ہے اور ذات خداوندی قبیح سے مبرا ہے لہذا ہر کام خدا کا علتِ غرض سے خالی نہیں اب اگر کوئی کام غرض اور مصلحت سے کیا جاتا ہے تو وہ غرض اپنی ہوتی ہے یا دوسرے کی اگر اپنی تھی تو وہ اُس غرض کا محتاج ہوگا اور کمال باقی نہ رہے گا ذات ناقص ہو جاوے گی لہذا یہ غرض اور مصلحت جو کچھ ہے وہ مخلوق کی منفعت ہے کیونکہ اگر اُس کی غرض ہوگی تو وہ محتاج ہو جائے گا اور محتاج ممکن ہوتا ہے واجب الوجود کسی طرح محتاج نہیں ہوتا

س ۔ غرض اور مصلحت پیدا کرنے کی کیا ہے ۔

[1] پارہ ۲۷ رکوع ۲ سورہ ذاریات [2] پارہ ۴ رکوع ۱۰ سورہ آل عمران

ج۔ کام کی غرض دو طرح کی ہوتی ہے فائدہ یا نقصان ۔ اللہ بندوں کو فائدہ پھونچاتا ہے نہ کہ ضرر۔ کیونکہ نقصان پھونچانا قبیح ہے اور قبیح واجب الوجود سے محال ہے تو نفع پھونچانا ضروری ہوا اسی وجہ سے انسان کے لئے تکلیف لازمی ہوئی کیونکہ بندوں کا اس میں نفع ہے کیونکہ جب قبیح کام اُس سے سرزد نہیں ہو سکتا تو نفع ہی کی غرض سے سب کام ہوں گے تکلیف اس لئے معین کی کہ اپنے خالق کی معرفت وعبادت کر کے ثواب دائمی کے مستحق بن جائیں۔

س۔ تکلیف کس کو کہتے ہیں۔

ج۔ تکلیف اصطلاح اہل کلام میں یہ ہے کہ جس کی طاعت واجب ہو اُس کی ایسی فرمائش کا ابتدائً برداشت کرنا جس میں مشقت ہو بشرط جتلانے کے یعنی مکلف کو بتا دیا جائے کہ تمہارا یہ کام ہے۔

فائدہ۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ خدا کے فعل کی غرض بندوں کا نفع ہے اور حقیقی نفع سوائے ثواب اُخروی اور خوشنودی کے دوسری چیز ہو نہیں سکتی کیونکہ ثواب کے علاوہ جو نفع کہا جاتا ہے وہ یا تو کسی ضرر کا دفعیہ ہوتا ہے یا کوئی ایسا نفع جو قایم رہنے والا نہیں ہے پس ایسا نفع خلق عباد کی غرض قرار دینا مناسب اور بہتر نہیں اور بلا خدمت کے ثواب دینا قبیح ہے کیونکہ ثواب وہ نفع ہے جو بروجہ تعظیم دیا جاتا ہے اور تعظیم کرنا بدون استحقاق

قبیح ہے پس حکمت مقتضی ہوئی کہ تکلیف کو واسطہ ثواب کا قرار دیا جائے لغت میں تکلیف کے معنی مشقت کے ہیں جاننا چاہیے کہ تکلیف کی تعریف میں جو ابتدا کی شرط ہے اُس سے فائدہ یہ ہے کہ جس کی طاعت واجب ہے حقیقتاً وہ خدا ہے کیونکہ وہ خالق ہے اور خدا اور بندہ کے درمیان جو واسطہ ہوتا ہے اگرچہ اُس کی اطاعت بھی واجب ہے مگر وہ ابتدائی مرتبہ نہیں ہے مثل نبی۔ امام۔ والد۔ آقا اور منعم کے کہ ان سب کی تابعداری متفرع اور تابع ہے خدا کی اطاعت کے کیونکہ ان سب کی تابعداری خدا ہی کے حکم سے ہوتی ہے اور مشقت کی شرط اس لئے ہے تاکہ جس میں محنت و مشقت نہ ہو وہ نکل جائے اس لئے کہ اُس کا عوض ضروری نہیں ہے۔

س۔ شرائط حسن تکلیف کے کیا ہیں۔

ج۔ شرائط حسن تکلیف کے یعنی کسی کام کا کسی سے متعلق کرنے کا عمدہ طریقہ جو ہے اُس کے شرائط تین طرح کے ہوتے ہیں۔

ایک بہ لحاظ نفس تکلیف کے یعنی اُس کام کے لحاظ سے اور وہ چار ہیں۔

(۱) اُس میں کوئی امر باعث فساد نہ ہو۔ کیونکہ فساد قبیح ہے۔

(۲) کام کرنے کے وقت سے تکلیف مقدم ہو۔

(۳) وہ امر جس کی تکلیف دی ہے ممکن ہو کیونکہ محال کی تکلیف قبیح ہے۔

(۴) اُس کے حسن پر کوئی صفت زائد بھی ہو کیونکہ مباح (یعنی وہ امر جس کا کرنا نہ کرنا برابر ہے) کوئی تکلیف نہیں ہے۔

دوم۔ بلحاظ مکلِّف کے جو تکلیف کا فاعل ہے اُس میں بھی چار شرطیں ہیں۔

(۱) مکلف (تکلیف دینے والا) کام کے صفات کو جانتا ہو۔

(۲) اُس مقدار ثواب و عذاب کو جانتا ہو جس کے کام کرنے والے مستحق ہونگے۔

(۳) مکلف (تکلیف دینے والا) مستحق کو حق پہونچانے کی قدرت رکھتا ہو یعنی وہ عوض دے سکے۔

(۴) خود مکلِف قبیح کا فاعل نہو۔

تیسرے۔ بلحاظ مکلَّف کے جس کو تکلیف دی گئی اُس کے شرائط تین ہیں۔

(۱) اُس بندہ کو فعل پر قدرت ہو کیونکہ تکلیف مالایطاق محال ہے یعنی جس کام کو جو نہیں کرسکتا اُس کی تکلیف اُس کو نہیں دی جاسکتی۔

(۲) اُس کو اُس چیز کا علم ہو یا اُس کا جاننا ممکن ہو جس کا حکم اُس کو دیا گیا ہے پس وہ جاہل جو علم حاصل کرسکتا ہے معذور نہیں ہے۔

(۳) جس کام کی تکلیف دی گئی ہے اُس کے سامان و ذرائع اُس کو بہم پہونچ سکتے ہوں۔

س۔ جس چیز کی تکلیف دی جاسکتی ہے اُس کے کس قدر اقسام ہیں۔

ج۔ تکلیف تین قسم کی ہوسکتی ہے۔ علم [1] ۔ ظن [2] (یعنی صرف گمان حاصل کرنے

کی زحمت (عملؔ یعنی کام کرنے کی تکلیف و مشقت۔

(۱) علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم عقلی بہ دلیل عقل جیسے علم واجب الوجود اور جاننا اُس کے صفات کا۔ عدل کا اور جاننا نبوت کا اور معاد کا کہ عقلی دلائل سے اُن کو جانے۔

(۲) علم سمعی۔ جو محض سننے سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسے شرعیات یعنی جان لینا اُن شرائط و احکام کا جو شارع علیہ السلام نے بتائے ہیں کہ صرف سننا کافی ہے اور دلیل سے پہچاننے کی ضرورت نہیں۔

(۳) ظن جیسے جہت قبلہ کا محض گمان کافی ہے کہ اس طرف قبلہ ہے پس نماز صحیح ہے یقین حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۴) عمل جیسے عبادت نماز و روزہ و حج وغیرہ کہ اعضا و جوارح سے کام لینا پڑے۔

فائدہ:۔ اگر بندہ کے لئے تکلیف ضروری نہ مانی جائے تو معاذ اللہ خدا قبیح کی طرف مائل کرنے والا ثابت ہو گا کیونکہ خواہشات اور بُرائی کی طرف میلان اور اچھائی سے نفرت ہر انسان میں موجود ہے تو ضرور ہوا کہ کوئی تنبیہ کرنے والا ہو اور وہ آگاہ کنندہ تکلیف ہے محض قبیح کی بُرائی کو جان لینا اُس کام کے کرنے سے روک نہیں سکتا کیونکہ انسان حاجت کے پورا کرنے کے لیے مذمت کو گوارا کر لیتا ہے لہذا تکلیف اور ممانعت کی ضرورت ہے۔

مبحث پنجم - خدا پر لطف واجب ہے۔ لطف اُس کو کہتے ہیں کہ جو چیز مکلف یعنی بندہ کو طاعت سے قریب اور نافرمانی سے دور کردے نہ اس طرح کہ فعل کو کرادے یا معصیت سے بالکل بچادے بلکہ باوجود بندہ کے اختیار کے وہ سامان مہیا کردے جس سے طاعت کرے اور معصیت سے بچنے میں آسانی ہو تاکہ استحقاق ثواب وعذاب باقی رہے اگر بندہ کا اختیار باقی نہ رہے گا تو ثواب وعذاب کا مستحق نہ ہو سکے گا۔

س - خدا پر لطف واجب کیوں ہے۔

ج - خداوند عالم نے بندوں پر طاعت کو لازم کیا اور معصیت سے منع کیا اور تکلیف سے سوائے اس کے کچھ مقصد نہیں ہے کہ بندہ حکم کی تعمیل کرے اور ممنوع چیزوں کو ترک کرے جو بندہ ہی کے لئے مفید ہے ورنہ تکلیف بیکار ہو جاوے گی پس اگر مکلف کو طاعت میں آسانی ہوگی تو وہ راغب ہوگا اور عمل کرے گا اور معصیت سے بچنے میں آسانی ہوگی تو معصیت کی طرف راغب نہ ہوگا پس خداوند عالم پر یہ فعل واجب ولازم وضروری ہوگا یعنی اسباب اطاعت کا مہیا کرنا اور معصیت کے اسباب کا روکنا اور اگر ایسا نہ کرے گا تو منافی غرض ہوگا اور نقض غرض یعنی توڑنا غرض کا حکیم سے قبیح ہے پس لطف واجب ہوا مثال اُس کی یہ ہے کہ اگر کوئی حاکم کسی کو کچھ لکھنے کا حکم دے تو اُس پر واجب ہے کہ قلم دوات کاغذ وغیرہ مہیا کردے

اگر ایسا نہ کرے گا تو عقلا اُس کو مذمت کریں گے

مبحث ششم - خداوند عالم پر معاوضہ اُن آلام و مصائب اور تکالیف کا دینا واجب ہے جو منجانب اُس کے کسی مصلحت سے پہونچائے جاتے ہیں اگر ایسا نہ ہو تو معاذ اللہ وہ ظالم کہلائے گا بلکہ تکلیف سے عوض زیادہ ملنا ضروری ہے وگرنہ الم پہونچانا ظلم ہوگا۔

پس انسان جو فقر و فاقہ - مرض و بلا و مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں کبھی اُن کے اعمال کی سزا ہوتی ہے اور کبھی اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ اُس شخص کے اعزا و احباب کو تنبیہ ہو جائے اور عقبیٰ میں اُس کا معاوضہ اس بندہ کو دیا جاوے اور کبھی کفارہ اُن کے گناہوں کا یہ مصیبت ہو جاتی ہے کبھی لطف خداوندی ہو جاتا ہے کہ بندہ گناہوں کو چھوڑ دیتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے اور وہ اُس کی بخشش کا سبب ہو جاتا ہے جیسا کہ ایک دعا میں امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں :-

اللھم لک الحمد علی ما لم ازل اتصرف فیہ من سلامۃ بدنی ولک الحمد علی ما احدثت لی من علۃ فی جسدی - یعنی اے خدا تیرا شکر ہے کہ مجکو صحیح و سالم رکھا جس میں میرا اختیار نہ تھا اور تیرا شکر ہے حالت مرض میں جو مجھ پر صادر کیا لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ زیادہ لائق شکر کونسی حالت ہے آیا وقت صحت جس میں میں خوش دل رہوں یا

وقت بیماری جس میں تو نے مبتلا کیا ہے بہ سبب گناہ اور خطا کے یا گناہوں
کی تخفیف کے لئے یا گناہوں سے بچانے کے لئے۔ لیکن وہ آلام و
مصائب جو بلا استحقاق کے ہوتے ہیں یعنی (۱) مصائب صاحبان
عصمت و طہارت کے تو وہ یا واسطے رفعت مدارج عالیہ کے ہوتے
ہیں یا کبھی اختبار و امتحان اُن کا ہوتا ہے اس واسطے کہ لوگ سمجھ لیں
کہ ہم نے اُن کو مدارج عالیہ بلا وجہ و استحقاق نہیں دئے یا کبھی اس
وجہ سے کہ شفاعت اُن کی جمیع معاصی کبیرہ و صغیرہ میں موثر ہو (۲) یا
مصائب اطفال غیر مکلفین و مجانین کے وہ دو امر سے خالی نہیں یا تو
اس غرض سے ہے کہ لوگوں کو تنبیہ ہو جائے اور اُس شخص مبتلا کو۔
اُس کا معاوضہ اِس قدر دیا جاوے گا کہ وہ بطیب خاطر راضی و خوشنود
ہو جاوے۔ پس اِس الم میں لطف خداوند عالم ہے متالم اور غیر متالم
کے لئے تا کہ عبث لازم نہ آوے مثلاً بچوں کا بیمار ہونا کہ وہ تنبیہ
والدین کے لئے ہوتا ہے کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کریں لیکن بعض
کی رائے یہ ہے کہ اس سے مقصود صرف امتحان والدین ہوتا ہے کہ
فرق درمیان مطیع اور غیر مطیع کے ظاہر ہو جاوے۔
اور وہ آلام و تکالیف جو منجانب انسان صادر ہوتے ہیں پس (۱)
یا تو وہ بہ اجازت خداوند عالم ہیں جیسے قاتل کو سزائے موت یا چور کا

ہاتھ کاٹنا جو جرائم شرعی کی سزا ہے یا جیسے ذبح حیوانات پس ایسی صورت میں عوض اس کا خداوند عالم پر ہے اور اگر یہ اعتراض ہو کہ جانوروں کا بلا وجہ مارنا قبیح ہے تو غلط ہے کیونکہ قبیح اُس صورت میں ہوتا جبکہ بلا حکم خدا ہوتا اور اُس کا کچھ معاوضہ نہ ہوتا چونکہ خداوند عالم پر اُس کا عوض دینا واجب اور لازم ہے لہذا قبیح نہیں ہے جبکہ اُس نے اُس کے حکم کے مطابق کام کیا ہے۔

(۲) یا وہ ہیں کہ بلا حکم خداوند عالم کے حیوانات مارے جاویں اور یہ بلا تامل قبیح ہے اور اِس کا معاوضہ اُس کے فاعل پر ہے کہ بقدر ظلم اُس کا معاوضہ دیا جائے۔

س۔ ظلم کس کو کہتے ہیں۔

ج۔ ظلم کے معنی بے محل شئے کا استعمال اور جو نکرنا چاہیئے اس کو کرنا اور جو کرنا چاہیئے اُس کو نکرنا۔

س۔ ظلم کی کے قسمیں ہیں۔

ج۔ ظلم کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وہ ظلم کہ ظالم لائق بخشش نہیں ہے۔

(۲) وہ ظلم کہ اُس کا کرنے والا بلا تدارک نہیں چھوڑا جا سکتا۔

(۳) وہ ظلم ہے جس میں امید بخشش ہے۔

وہ گناہ جو لائق بخشش نہیں ہے وہ شرک ہے یا جو حکم میں شرک کے

ہے۔ دوسرا وہ ظلم ہے کہ ایک شخص دوسرے پر کرتا ہے اور یہ ظلم معاف نہیں کیا جاوے گا تاوقتیکہ مظلوم راضی نہ ہو جاوے۔ تیسرا وہ ظلم ہے جو آدمی اپنے نفس پر کرتا ہے یعنی گناہ چاہے خداوند عالم اپنے فضل سے بخش دے یا سزا دے بعض روایات میں ہے کہ اگر دنیا ہی میں اُس کا بدلہ دیدیا جاوے تو عذاب آخرت سے بچ جائے گا کیونکہ خداوند عالم ایسا کریم ہے کہ اُس سے بعید ہے کہ آخرت میں دوبارہ معذب کرے۔

مبحث عدل کے متعلق ضروری باتیں

تنبیہ۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ غرض خلقت اشیاء سے نفع رسانی انسان کی ہے نہ اضرار اور نہ اُس کی کوئی ذاتی غرض کیونکہ محتاج نہیں اور اضرار امر قبیح ہے اُس ذات کی طرف قبیح کی نسبت دینا جائز نہیں کیونکہ نقص لازم آئے گا اور کل نقایص سے ذات اُس کی مُبرا ہے ورنہ وہ واجب نہ رہیگا۔ اور واجب ہونا دلائل سے ثابت ہو چکا۔

تو جاننا چاہیے کہ انسانوں اور بندوں کو پیدا کیا ہے عبادت کے لئے تاکہ اُس کی پرستش اور تابعداری کریں۔ اور اِس سے بھی اُس ذات جامع الکمالات کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ کسی غرض اور فائدہ کا محتاج نہیں ہے بلکہ اُس میں غرض بندوں ہی کی ہے اور اُنہیں کا فائدہ ہے اور

وہ فائدہ یہ ہے کہ بندے اُس ذات قادر و کامل سے کافی فائدہ حاصل کریں جس میں سب طرح کی قدرت ہے اور یہ فائدہ بلا محنت مِل نہیں سکتا خداوند عالم نے آسمان و زمین و آفتاب و ماہتاب اور کُل اشیاء اپنے بندوں کے واسطے خلق کیں اور انھیں چیزوں سے اپنی خدائی ثابت کر دکھائی۔

فائدہ۔ بندوں کو عبادت کی تکلیف دینا اور اُن کو مکلف بنانا خدائے بزرگ پر واجب و ضروری ہے ہر چند اخبار انبیا علیہم السلام سے تکلیف ثابت ہے لیکن عقلی دلیل سے بھی تکلیف کے وجوب کو عُلما نے ثابت کیا ہے۔ پہلے یہ کہ غرض خداوند عالم کی بندوں کے پیدا کرنے سے اُنھیں کو نفع پہونچانا ہے اور بجز ثواب آخرت کے درحقیقت عقلا کے نزدیک نفع نہیں ہے اور ثواب عبادت کا بدلہ ہے اور موقوف ہے تکلیف پر پس نفع حقیقی موقوف ہے تکلیف پر اگر تکلیف نہ دیتا تو غرض خلقت انسان کی ٹوٹ جاتی تو یہاں پر دو دعوے ہوئے ایک[۱] یہ کہ کوئی حقیقی نفع بجز ثواب اخروی کے نہیں ہے دوسرا[۲] یہ کہ ثواب و عوض بے تکلیف ممکن نہیں۔ پہلے دعوے کا ثبوت یہ ہے کہ دنیا کے نفعے جو ہیں وہ از قبیل دفع الم ہیں یعنی رنج و تکلیف و تنگی کے دور ہو جانے کو نفع کہتے ہیں۔ اور جو نفع پہونچتا ہے

سو تکلیفوں اور مصیبتوں سے آلودہ ہوتا ہے دیکھو اگر کوئی بادشاہ ہفت
اقلیم کا ہے۔ اور صحیح و سالم ہے اور کھانے و پینے اور پہننے کے لئے عمدہ
عمدہ چیزیں اور نفیس نفیس بلند عمارتیں رہنے کے لئے رکھتا ہے اور
ہر طرح کے زر و جواہر اور طرح طرح کی زینتیں و اسباب تجمل اُس کو مہیا
ہیں پھر بھی لذت حقیقی اُس کو میسر نہوگی کیونکہ لاکھوں طرح کے اپنوں پرایو
سے خوف دامنگیر ہوتے ہیں بلکہ سلاطین آرام کی نیند بھی نہیں سو سکتے
بسبب شدّت خوف کے کہ کیا خبر کوئی غلام سوتے میں تلوار سے قتل
کر دے یا کوئی دوسرا بادشاہ بن بیٹھے اور اُس کو ذلیل و خوار کرے اور
اکثر ایسا ہوتا ہے کہ خود اُس کا لشکر باغی و منحرف ہو جاتا ہے اور سلطنت
درہم و برہم ہو جاتی ہے یا یکبارگی عیش و راحت میں ایک درد پیٹ میں
پیدا ہو جائے یا پیشاب بند ہو جائے اور کسی علاج سے نفع نہو یا اُس کا
عزیز ترین لڑکا مر جائے جس کے مرنے سے آب و خورش اُس پر حرام ہو کر
زندگی منفعل ہو جائے یا کسی عزیز کی جدائی میں مبتلا ہو کر زندگی سے عاجز
ہو جائے تمام مال و دولت اُس کے نزدیک خاک ہے اور اسباب
راحت باعث تکلیف۔ یہ ہے نفع دنیا بلکہ اسی قدر کافی ہے کہ ہر ساعت
جو گزرتی ہے اُتنی مقدار اُس کی عمر سے کم ہوتی جاتی ہے اور زمانہ بوسیدگی و
فنا کا قریب آتا جاتا ہے یہاں تک کہ بڑھاپے میں ہر لحظہ انتظار موت رہتا ہے۔

اگرچہ غذا بادشاہ کی اُس کے کھاتے وقت لذیذ ہے لیکن مزہ اُس کا حلق سے اُترتے ہی جاتا رہتا ہے جب معدہ میں پہونچتی ہے کبھی فساد برپا کرتی یا کم از کم کثیف ترین اشیا یعنی فضلہ بن جاتی ہے اور اگر زیادہ کھالی تو تکلیف اُٹھانا پڑتی ہے اور وہ سینہ و شکم خوبصورت جس کو طرح طرح کی آرائش و زیبائش سے معطر بنایا ہے اُسی میں وہ بدبو و کثیف چیز بنجاتی ہے جس کے دفع کیے بغیر چارہ نہیں۔

ایک تمثیل اس مقام پر بڑی لطیف اور منطبق ہے جس سے تصویر دنیا کی اور اہل دنیا کی آنکھوں میں پھر جاتی ہے اور سمجھ میں آجاتا ہے کہ دنیا کا کوئی فانی نفع حقیقی نفع نہیں ہے کیونکہ اس کے نفع میں راحت سے زیادہ تکلیف و ایذا موجود ہے۔

مثال کے طور پر سمجھو کہ کسی انسان کو رسّی میں باندھ کر کنوئیں میں لٹکائیں اور اندر کنوئیں کی تہ میں ایک بڑا اژدہا مُنہ کھولے اُس کو نظر پڑے جو اسی کی طرف رُخ کیے ہوئے ہے منتظر ہے کہ یہ گرے اور میں نگل جاؤں اور کنوئیں کے اوپر دو چوہے ایک سفید دوسرا سیاہ موجود ہیں جو اُس رسّی کو کترنے اور اُس کے ریشہ اُدھیڑنے میں مصروف ہیں جس سے یہ شخص بندھا ہوا ہے اور ایک لحظہ بھی اس رسی کے ٹوٹنے سے غافل نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ سمجھ رہا ہے کہ جب یہ چوہے رسّی کو کاٹ ڈالیں گے تو

میں اس اژدہے کے مُنہ میں گر پڑوں گا ایسی حالت میں جب کنوئیں کی دیوار پر نظر پڑی دیکھا کہ کچھ شہد لگا ہوا ہے جو خاک و مٹی سے کنوئیں کی دیوار کے میلا بھی ہے اور اُس پر شہد کی ڈنک دار مکھیوں کا ہجوم بھی ہے یہ شخص تمام خدشوں اور مصیبتوں سے غفلت برتتے ہوئے اُس شہد کے چاٹنے میں مصروف ہو جاتا ہے اور پوری پوری اپنی ہمت و کوشش اسی پر صرف کرتا ہے کہ اُن زنبوروں اور مکھیوں کو الگ کر کے تھوڑا شہد حاصل کر لے اور لذّت اُٹھائے۔

تشریح تمثیل۔ کنواں دنیا ہے اور رسّی وہ مقدار معین عمر انسان کی ہے جس میں وہ بندھا ہوا ہے اور اژدہا مُنھ کھولے ہوئے موت ہے اور دو چوہے سفید و سیاہ دن اور رات ہیں کہ برابر اُس انسان کی عمر کو کم کرتے چلے جاتے ہیں اور وہ شہد شیرینی جو خاک دنیا سے ملے ہوئے ہیں وہ دنیا کی لذتیں ہیں جو رنج و مصیبت سے مخلوط ہیں اور مکھیاں دنیا والے ہیں جو گرد اُس کے ہجوم کئے ہوئے ہیں۔

فی الواقع دنیا کا یہی حال ہے۔

جناب اخوند مجلسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی دوسری زندگی نہ ہو اور صرف اسی فانی زندگی پر انحصار ہو تو اس دنیا کی منفعتیں (جو آرام سے کئی گنی کدورات جسمانی و روحانی اور مصائب و محن اور امراض و فتن اور اموا

کے تلف و غصب اور اولاد و اعزا و احبا کی بیماری موت اور طرح طرح کی تکلیفوں سے مخلوط ہیں) اس قابل نہیں ہیں کہ آدمیوں کو اللہ اس کے لئے پیدا کرے اور یہ مثل اس کی ہے کہ کوئی سخی و کریم کسی شخص کو ضیافت کی غرض سے اُس گھر میں لیجائے جو طرح طرح کے درندوں موذی چیزوں شیر۔ بھیڑیوں۔ چیتوں اور سانپ۔ بچھو زنبوروں وغیرہ سے بھرا ہوا ہو اور جب وہ مہمان آجائے تو اُس کے سامنے وہ کھانا خوشنما رکھے جو زہر سے مِلا ہوا ہو اور جو لقمہ اُٹھائے اُسی کے ساتھ زہریلے جانور اُس کے ہاتھ اور مُنہ پر ڈنک ماریں اور کاٹیں اور جلاد اُس کے سر پر کھڑے ہوں کہ ہر ہر ساعت اُس پر حملہ کر رہے ہوں اور قبل اِس کے کہ یہ اپنی آرزو پوری کرے اِس کی گردن ماردیں کوئی عقلمند ایسی دعوت و ضیافت کو پسند نہیں کر سکتا اور مدح نہیں کر سکتا۔ بخلاف اِس کے کہ اگر کوئی سخت خدمتوں کا حکم دے کر کسی سے وعدہ کرے کہ جب ان تکلیفوں کو تم اُٹھالوگے اور اِن مصائب کو جھیل لوگے تو میں تم کو بڑے عہدوں پر سرفراز کروں گا اور عمدہ انعامات سے بہرہ اندوز کروں گا اور تھوڑے دنوں کی سختی جھیلنے کے بعد عرصہ دراز کی حکومت و ریاست پر فائز ہوگے تو عقلا اس بات کی تعریف کریں گے جب کہ مشقت و محنت کی مدت متناہی اور تھوڑی ہو اور زمانۂ راحت و نعمت غیر متناہی اور دراز۔

خلاصہ یہ کہ لذاتِ دُنیوی باعث و غرض خلقت عالم کی نہیں ہو سکتیں
ہاں لذت و نفع حقیقی وہی ہے کہ جو رنج و مصیبت سے آغشتہ نہو اور
جہاں کسی ظالم اور قاتل و درندہ و سانپ و بچھو کا خوف نہ ہو اور وہ لذت
زائل نہ ہو۔ اور جس نعمت و لطف کی خواہش ہو مہیّا ہو جائے اور موت و
بڑھاپا و کمزوری و دکھ درد بیماری وہاں کچھ نہ ہو اور اپنے خالق و آقا
کی رضا حاصل ہو کہ یہ سوائے اُس بہشت کے نہیں ہے جس کی خدائے
پاک نے خبر دی ہے اور جو نیک اعمالوں کی جزا قرار دی گئی ہے۔
لیکن دوسرا دعویٰ کہ ثواب جو نفع خالص ہے بلا عبادت میسّر نہیں ہو سکتا
اُس کا ثبوت یہ ہے ثواب و عوض حقیقی وہی ہے جس میں رنج و الم نہو اور
تعظیم کے ساتھ ہو کیونکہ جس میں تعظیم نہ ہو اُس کو عطا اور تفضّل کہتے ہیں اور
تعظیم و وقار بلا استحقاق نہیں ہوتا بلکہ کسی کی تعظیم بلا استحقاق عقلاً قبیح ہے
کیا نہیں دیکھتے کہ اگر کسی بدتمیز جنگلی سر و پا برہنہ ننگے دھڑنگے کی
تعظیم کیلئے بادشاہ کے اُس دربار میں جہاں امرا وزرا ارکانِ دولت موجود
ہوں بادشاہ کھڑا ہو جائے اور اہل دربار کو بھی اُس کے استقبال کا حکم
دے اور مسندِ محفل میں اُس کو بٹھائے اور طرح طرح کی ضیافت کے
سامان کا حکم دے اور اُس جنگلی کے لئے ہر طرح کے سامان راحت مہیا
کرے تو اہل عقل تعجب کریں گے کہ ایسا قبیح عمل بادشاہ سے کیوں صادر ہوا

سچ کہو آیا علت اِس تعجب کی کیا ہے یہی ہے کہ تعظیم اُس شخص کی جو لائق تعظیم
نہیں ہے قبیح ہے جب دونوں دعوے ثابت ہوگئے تو مدعا ثابت
ہوگیا کہ حقیقی نفع ثواب اُخروی ہے اور ثواب بلا استحقاق مِل نہیں سکتا
لہٰذا تکلیف ضروری و واجب ہے۔
دوسری دلیل وجوب تکلیف پر یہ ہے کہ خدا نے بندوں میں خواہشات
پیدا کیے ہیں جس سے رغبت اموال دنیا کی رکھتے ہیں اور جھوٹ و اضرار
خلق و غصب اتلاف و اموال کی اپنے فانی نفع کے لیے پرواہ نہیں
کرتے اور یہ کہ اگر خدا نیکیوں کا حکم اور بدیوں کی ممانعت نہ فرماتا تو لازم آتا
ہے کہ خدا بندوں کے بُرے کاموں پر راضی ہے اور اُن کو قبیح امور پر
برانگیختہ اور آمادہ کرتا ہے کہ خواہشوں کو پیدا کردیا اور اچھا بُرا بتایا نہیں۔
طریقہ عمل تعلیم دیا نہ وعدہ وعید کیا۔ علاوہ اِس کے اگر تکلیف نہ ہو اور
اوامر و نواہی نہ مانے جائیں تو آخرت کے مواخذہ کا خوف نہ رہے گا اور
اپنی حرص و خواہش کے وقت قتل نفس و زنا و بدکاری سے کوئی نہ ڈریگا
جس سے بہت سے جھگڑے اور نزاعیں دنیا میں پیدا ہوجائیں گے اور
دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ نیکی و بدی چیزوں کی بندے کہاں سے جانیں گے
کیونکہ تمام چیزوں کی حقیقی حالت دریافت کرنے سے عقل بشر قاصر ہے۔
البتہ خدا پر واجب ہے کہ آگاہ کرے بندوں کو اشیا کی نیکی اور بدی کی

تفصیل سے تاکہ نیکی کی طرف بندے راغب ہوں اور بدی سے بچیں اور
اگر یہ کہو کہ باوجود اس کے بھی لوگ گناہ کرتے ہیں اور سب کہاں گناہ سے
بچتے ہیں اور بعض لوگ بلا وعید و دھمکی کے بھی گناہوں سے باز رہتے ہیں
تو جواب اُس کا یہ ہے کہ بعض ہی کا گناہ سے بچنا وجوب تکلیف کے لئے
کافی ہے زیادہ سمجھنے کے لئے ایک مثال دیتا ہوں ۔ کہ اگر تم کسی سخت
مرض میں مبتلا ہو اور حکیم تمھارے لئے نافع دوا تجویز کرے اور سرہانے
تمھارے دوا رکھ بھی دے اور مضر اور زہریلی چیزوں سے تم کو آگاہ کر دے
کہ اُن سے پرہیز کرنا اور شدید ممانعت کرے اور تم اُس حکیم کے قول پر
عمل نہ کرو اور استعمال مضر چیزوں کا کرو تو خطا تمھاری ہے حکیم پر جو ضروری
واجب تھا وہ اُس نے کر دیا ہاں اگر منع نہ کرتا تو امر قبیح کا مرتکب ہوتا اور اگر
قول حکیم پر عمل کرو گے نفع اُٹھاؤ گے ۔ مخالفت کرو گے تو گنہگار و خطاوار
کہلاؤ گے کیونکہ اب اُس نے پوری رہنمائی کر دی اب تمھاری خطا ہے
جو تم نے پرہیز نہ کیا یا دوا نہ پی وجوب تکلیف کی مثال قولِ حکیم ہے کہ اُس
پر واجب ہے کہ نفع و ضرر کی چیزوں سے آگاہ کر دے ۔ عمل کرنا نہ کرنا
تمھارا کام ہے ۔

تیسری دلیل وجوب تکلیف کی یہ ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے یعنی اپنی
زندگی بسر کرنے میں اعوان و انصار کا محتاج ہے جو اس کے ہمجنس ہوں ۔

کیونکہ یہ معلوم ہے کہ ایک آدمی اپنی زندگی کی ضروریات بہم نہیں پہونچا سکتا کہ خود ہی بوئے جوتے خود ہی جوتنے اور پانی دینے کے آلات مہیا کرے لوہاری نجاری کرے خود ہی اناج کو جمع کرے۔ چکی بنائے اُس میں پیسے کوٹے۔ پکائے اسی طرح پہننے کے لئے روئی جمع کرے کاتے اور آلات کپڑا بُننے کے بنائے اور کپڑا بُن کر سوئی بنا کر سیئے غرض انسانی ضروریات کے لئے ہزاروں لاکھوں آدمی کام کرتے ہیں تب اُس کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور انسان زندگی بسر کر سکتا ہے پس ایک دوسرے کی مدد کرنا ضروری ہوا اور اسی اجتماعی زندگی کا نام تمدن ہے اور چونکہ پیدائش سے انسان ایسی زندگی کا محتاج معلوم ہوتا ہے اس سے اُس کو مدنی بالطبع کہتے ہیں کہ ایسی حالت میں انسان کے لئے معاملات وخرید وفروخت و نزاع و فساد ضرور ہے۔ لہذا اُس کے لئے احکام اور قانون کی ضرورت ہے خدا پر واجب ہے کہ انبیا و رسل کے ذریعہ سے وہ احکام بتائے اور جزا و سزا سے آگاہ کرے اسی کا نام تکلیف ہے۔

فائدہ۔ جب وجوب تکلیف کو دلائل سے جان لیا تو سمجھنا چاہیئے کہ جو انسان خدا کی جانب سے اس تکلیف کو لاوے وہی نبی و رسول ہے پس یہ سب دلیلیں یہ بھی بتاتی ہیں کہ خدا پر انبیا کا بھیجنا واجب ہے جو اس تکلیف کو بتائیں اس جگہ اِن دلائل کو یوں طول دینا مناسب ہوا کہ مبحث نبوت میں مقدمہ کے طور پر کام آویں۔

۵۔ نبوت

یعنی ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی گزرے جن کے اول آدم اور آخر جناب محمد مصطفےٰ ہیں۔

س۔ نبی کس کو کہتے ہیں۔

ج۔ نبی اُس انسان کو کہتے ہیں جو خدا کی طرف سے خبر دینے والا ہو بلا واسطہ کسی بشر کے۔

س۔ نبی کے بھیجنے کی کیا ضرورت ہے۔

ج۔ جبکہ مخلوق کے پیدا کرنے سے مقصود اپنی معرفت اور وہ بہتری جو مخلوق ہی کو پہونچے یہی ہے تو جن چیزوں میں مخلوق کی بھلائی ہو اُسی طرف توجہ کرنا اور جس میں بُرائی ہو اُن چیزوں سے پھیرنا حکمت کی رو سے ضروری اور واجب ہے۔ یعنی اُن مصالح کو اور اچھائیوں کو پہونچانا جو انسان کے لئے موزوں ہیں اور اُن چیزوں کی روک کرنا جو اُس کے لئے مضر ہیں واجب ہے اور یہ مصالح یا تو اُن کی معاش (دنیوی زندگی) کے متعلق ہوں گے یا معاد (آخرت) کے لئے۔ معاش کے متعلق اس لئے کہ انسان مدنی الطبع

ہے اور ہر ایک فرد دوسرے کا محتاج ہے اور ہر فرد دوسرے کا معاون ہے اور یہ مدد بلا باہم میل جول و معاملہ کے حاصل نہیں ہوتی جس میں جھگڑا اور فساد ضرور ہوتا ہے اور معاملہ بلا کسی قانون عدل اور صحیح قاعدہ کے (جو منجانب اللہ ہو) نہیں ہو سکتا جیسا کہ اوپر لکھا گیا اگر انسان پر یہ قانون چھوڑ دیا جائے تو ہر شخص اپنے موافق قانون بنا کر نظام عالم کو بالکل مختل و پریشان کر دے گا پس خداوند عالم پر واجب ہے کہ وہ قانون عدل مرتب کرے اور بواسطہ انسان کامل اُن احکام کو مخلوق تک پہونچا دے رہا معاملہ معاد کے مصالح کے متعلق تو یہ ظاہر ہے کہ سعادت اخروی اعمال صالحہ اور معارف حقہ سے نفس کی تکمیل کئے بغیر نہیں ہوتی اور امور دنیوی اور لذات جسمانی معارف حقہ اور اعمال صالحہ سے پورا پورا روکتے ہیں یا اگر حاصل بھی ہوتے ہیں تو دنیوی کشمکش کے باعث درجہ یقین تک نہیں پہونچتے بلکہ اُس میں وہم اور شک کا خلجان واقع ہوتا ہے۔ پس ضرورت ایسے شخص کی ہے جس کو یہ تعلق مانع نہ ہو یعنی معصوم ہو وہ معارف حقہ کی توضیح کر دے اور دلائل بتائے اور تمام وہم اور شبہات کو زائل کر دے اور مضبوط کر دے اُن چیزوں کو جس طرف انسانوں کے عقول جاویں اور ظاہر کر دے اُس کو جس کی وہ راہ نہیں پاتے خدا کو یاد دلائے عبادات اور اعمال صالحہ اُن کو بتائے کہ وہ کیا ہیں اور کس طرح بجا لانا چاہئیں جس سے

تقرب الٰہی حاصل ہو اور غرض خلقت پوری ہو اور بار بار بتاتا رہے تاکہ یاد تازہ ہوتی رہے اور سہو و نسیان غالب نہ ہو جو انسان کی طبیعت ثانیہ ہے اور ایسے شخص کو جس کی طرف معاد اور معاش کے احوال میں محتاج ہوں اُسی کو نبی کہتے ہیں۔

دوم :- عقل کو خداوند عالم نے حجتِ مستقلہ قرار دیا ہے اس لئے عقل سے انسان سمجھ سکتا ہے جو ہمارا پیدا کرنے والا ہے اُس کا کوئی قانون بھی ایسا ہوگا جو ہمارے لئے واجب العمل ہو پس عقلاً اُس قانون لانے والے کی تلاش لازم ہے جس طرح کسی سلطنت میں انسان رہے اُس کے قانون سے فی الجملہ آگاہی ضروری ہے تاکہ کسی جرم میں ماخوذ نہ ہو۔

سوم - خداوند عالم حکیم ہے اور قبیح افعال سے راضی نہیں ہو سکتا پس اُس کی خوشنودی ترک قبیح اور نیک کاموں کے کرنے پر موقوف ہے اور اُن نیک و بد کا جاننا بلا رسول اور اُس کے جانشینوں کے ممکن نہیں ہے پس بعثت رسول واجب ہے ورنہ تکلیف محال لازم آوے گی۔ اور لازم آئے گا کہ خداوند عالم افعال قبیحہ سے راضی ہے حالانکہ حکیم سے یہ ممنوع ہے پس لازم ہوا کہ کوئی شخص ایسا بھیجا جاوے۔ جو ان افعال کی تعلیم دے جو موجب رضائے خالق واجب الوجود ہوں۔

ایک زندیق نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ نبوت انبیا کو

آپ نے کہاں سے ثابت کر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ مسلمہ ہے کہ ہمارا کوئی خالق ہے اور ہم اُس کے مصنوعات سے ہیں اور وہ اس سے منزہ اور مبرا ہے کہ مصنوعات اُس سے ملیں اور معاشرت کر سکیں یا اُس کا مشاہدہ کر سکیں اور باہم باتیں کر سکیں پس کوئی وسیلہ ہونا چاہیئے کہ اُس کے احکام اور پیغام کو پھونچائے اور اُن امور کی رہنمائی کرے جو انسان کی منفعت کے لئے مطابق اُس کی مصلحت کے ہیں اور انسان کے یہ افعال اُس کی دنیوی بقا اور انتظام عالم کا وسیلہ ہوں اور آخرت میں اُس کے اعمال کی مقبولیت اور ترک ہلاکت کا باعث ہو پس اُس وسیلہ کا ہونا لازمی ہے اور وہی نبی ہے۔

س۔ بہت سے مقامات ایسے ہیں جن کی آبادی اب معلوم ہوئی ہے اور آدمی وہاں کے وحشی ہیں نہ کوئی وہاں نبی پھونچا اور نہ اُن کو اس کا علم ہوا کہ نبی کہاں مبعوث ہوا پس حجت خدا اُن پر تمام نہ ہوئی اور یہ دعویٰ ٹھیک نہوا کہ خداوند عالم پر نبی کا بھیجنا لازم اور واجب ہے۔

ج۔ اول۔ ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اُن مقامات پر نبی نہیں بھیجے گئے محض اس بنا پر کہ ہم کو آپ کو علم نہیں یہ اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ وہاں نبی مبعوث نہیں ہوئے لہذا یہ کہنا کہ وہاں کوئی نبی کسی وقت میں نہیں پھونچا نہ احکام اُس کے کسی ذریعہ سے پھونچے غلط ہے۔

دوم - یہ امر مسلمہ ہے کہ دنیا میں نبی اور رسول ہدایت کے لئے آئے کتابیں لائے یہ فرض انسان کا ہے کہ وہ اُس کی تلاش کرے خداوند عالم پر یہ واجب نہیں ہے کہ ہر ہر انچ زمین میں نبی کو پہونچائے چونکہ عقلاً کوئی زمانہ بلا حجت خدا خالی نہیں رہتا لہذا انسان کا فرض ہے کہ وہ حجت خدا کو تلاش کرے پس وہی نبی ہوگا یا نائب نبی۔

س - اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اور مبعوث برسالت تھے۔

ج - آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر بہت دلیلیں ہیں صرف چند پر اکتفا کی جاتی ہے۔

(۱) یہ کہ تمام خلائق کا اتفاق ہے خواہ وہ مسلم ہوں یا کافر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کے سامنے زانوے تلمذ طے نہیں کیا اور کسی سے تعلیم نہیں پائی حالانکہ وہ حضرت تمام زبانوں کا علم رکھتے تھے کہ جو تعلیم سے بھی محال ہے اور یہ اُن حضرت کا معجزہ ظاہرہ ہے اور نبی ہونے کی دلیل ہے۔

(۲) یہ کہ کتاب ہائے آسمانی میں اُن کی نبوت کی بشارت ہے۔ انجیل توریت، زبور اُن کے ذکر سے مملو ہیں جن میں مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔

(۳) یہ کہ معجزات اور خارق عادات اور اُن کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے

مثل قرآن مجید کے کہ صرف وہی ثبوت نبوت کے لئے کافی ہے جس کی فصاحت اور بلاغت نے عربوں کو عاجز کردیا جو خود اہل زبان اور فصاحت و بلاغت کے مالک تھے اور قرآن مجید نے صاف کہدیا ہے فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (پارہ الم سورہ بقر رکوع ۳) تم اُس کی ایک سورۃ کے مثل ہی پیش کرو سورۃ تو کجا مثل ایک آیت کا بھی نہ لاسکے اور لڑنے پر آمادہ ہوئے جس سے اُن کی عاجزی ظاہر ہوئی اور قرآنی ثبوت حضرت کی نبوت کا معلوم ہوا۔

فائدہ۔ جاننا چاہیے کہ دنیا جانتی ہے کہ قرآن مجید ایک کتاب مفصل ایسی ہے جو علوم کثیرہ پر شامل ہے جس میں مباحث الٰہیہ۔ علوم اخلاق۔ علم السلوک الی اللہ (خدا تک رسائی کا علم) اور علم احوال قرون ماضیہ (گزرے ہوئے زمانہ کی حالت) اور اُمم خالیہ کی باتیں عجیب مثالیں اور غریب قصے درج ہیں اور ہمارے نبی کا حال بھی دنیا کو معلوم ہے کہ وہ یتیمی کی حالت میں اُس شہر مکہ میں پلے بڑھے جو اُس وقت میں اہل علم اور کتب علمیہ اور مباحث حقیقیہ سے خالی تھا اور نہ وہاں سے ہمارے نبی نے علم حاصل کرنے کی غرض سے کہیں کا سفر کیا۔ سوائے دو مرتبہ تجارت کی غرض ملک شام تشریف لے گئے اور اس سفر میں بھی کسی سے علمی مفاد حاصل نہیں کیا یہاں تک کہ اسی طرح

چالیس سال کی عمر ہوگئی پھر بعد ان حالات کے اُن کی زبان شریف سے
ایسی عظیم المرتبہ کتاب ظاہر ہوئی پس بیشک یہ روشن معجزہ ہے ایسے
انسان خالی سے (جس نے بحث وطلب علم ومطالعہ کتب اور تعلیم سے کوئی
تعلق نہ رکھا ہو) ایسی حیرت انگیز کتاب کا ظاہر ہونا ہرگز ممکن نہیں مگر خدا
کی جانب سے وحی کے ذریعہ سے جس سے ثبوت نبوت ہوتا ہے۔

(۴) شق القمر کا معجزہ کہ چودھویں تاریخ ذی الحجہ کی شب کو حضرت کے پاس
لوگ جمع تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہر نبی کے لئے کوئی نشانی وآیت ہوتی
ہے پس آپ کی نبوت کی نشانی اس شب میں کیا ہے پس حضرت نے
فرمایا کیا چاہتے ہو سبھوں نے کہا کہ اگر تمھارے پروردگار کے نزدیک تمھارا
کچھ مرتبہ ہے تو حکم دو اس چودھویں رات کے چاند کو کہ دو ٹکڑے ہو جائے
پس جبرئیل امین آئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ
نے بعد تحفہ درود وسلام فرمایا ہے کہ میں نے ہر شے کو حکم دیا ہے کہ وہ تمھاری
اطاعت کرے پس حضرت نے سر اُٹھا کر حکم دیا چاند کو کہ دو ٹکڑے ہو جا پس
فوراً دو ٹکڑے ہو گیا حضرت نے سجدہ شکر کیا اور سر اُٹھا کر چاند کو پھر حکم دیا
کہ جیسا تو پہلے تھا ویسا ہی ہو جا پس وہ اپنی اصلی حالت پر عود کر گیا لوگ
اس کو دیکھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے سحر القمر سحر القمر کہ چاند پر
جادو کیا گیا جادو کیا گیا۔ حالانکہ کل ساحروں کا اس پر اتفاق ہے کہ اجرام سماوی

میں سحر اثر نہیں کرتا۔ پس اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔ (پارہ ۲۷۔ سورہ قمر رکوع ۸) اس معجزہ کو دنیا نے دیکھا جس سے ان کا خدا کا نبی ہونا ثابت ہوا۔

(۵) جاری ہونا پانی کے چشمہ کا انگلیوں کے درمیان سے کہ ڈیڑھ ہزار مرد سیراب ہوئے۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ اگر ایک لاکھ ہوتے تو وہ پانی کافی ہوتا یہ معجزہ حضرت موسیٰ کے معجزہ سے بہت بڑھا ہوا ہے کہ انھوں نے تو پتھر پر عصا مار کے چشمے جاری کئے جس سے پانی عادتًا نکلا کرتا ہے کیونکہ پتھر تو دوران پانی کا ہے برخلاف انگلیوں کے۔

(۶) برکات و مرات طعام قلیل سے خلق کثیر کو سیر کرنا جیسا کہ اس موقعہ پر ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیہ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ (پارہ ۱۹ سورہ شعرا رکوع ۱۵) میں نازل فرمائی اور تبلیغ توحید کا حکم رشتہ داروں کے لئے صادر فرمایا تو حضرت نے جناب علی مرتضیٰ کو حکم دیا کہ ایک ران بکری کی لے آؤ اور کچھ دودھ اور جمع کرو بنی ہاشم کو۔ حسب الحکم ایسا ہی کیا اور ان کو بلایا جو چالیس مرد تھے پس سب نے کھایا اور سیر ہو گئے اور طعام میں بھی کمی نہ ہوئی البتہ لوگوں کی انگلیوں کے اس پر نشان بن گئے اور جب ان لوگوں کو دعوت اسلام دی تو ابولہب یہ کہتا ہوا کھڑا ہو گیا کہ تم سب کو

محمد سحر زدہ کر دیں گے پس لوگ اُس کے پیچھے پیچھے چلے گئے پھر حضرت نے مولا علی کو حکم دیا کہ دوبارہ پھر دعوت کرو اور لوگوں کو بلاؤ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ لوگ سیر ہوئے اور اُسی طرح چلے چلے گئے پھر سہ بارہ حکم دیا کہ اسی طرح جمع کریں اور دعوت اسلام خود نبی نے اُن لوگوں کو دی اور فرمایا کہ جو کوئی مجھ پر ایمان لائے گا پس خلافت اور جانشینی مری اُسی کے لئے مرے بعد ہو گی پس کسی نے جواب نہ دیا بجز علی کے اور بیعت کی رسول اللہ کی امر خلافت پر۔

دوسری مرتبہ روز خندق ایک صاع (سوا تین سیر) جَو اور بزغالہ سے بہت سے لوگوں کو سیر کیا۔

تیسری مرتبہ ام سلیم کی دعوت کے روز جس نے جو کی روٹی اور مکھن سے صرف حضرت کی دعوت کی تھی مگر حضرت معہ چالیس ساتھیوں کے گئے اور حکم دیا کہ میرے پاس دس دس آؤ اور کھانا کھالو چنانچہ اسی طرح گئے اور سب سیر ہو گئے۔

(۷) سنگریزوں کا حضرت کی مٹھی میں تسبیح کرنا۔

ان کے علاوہ اتنے معجزے ہیں جن کا شمار ممکن نہیں پھر دعویٰ بھی نبوت کا کیا جس کا ثبوت معجزوں سے دیا تو یقیناً سچے تھے ورنہ لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ خداوند عالم بندوں کو امر قبیح کی طرف توجہ دلاتا ہے جو محال ہے اور

ابتک یہ ضروری ہے کہ جو کرتب و کرشمے دکھائے وہ رسول ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا اور اگر کرے گا تو خدا اُس کے جھوٹ کو ظاہر کر دے گا۔

س۔ نبی میں کیا اوصاف ہونے چاہئیں معہ دلائل بیان ہو۔

ج۔ معصوم ہو یعنی ابتدائے عمر سے آخر تک گناہ نہ کرے اور سہو اور نسیان اُس کو نہ ہوتا ہو ورنہ اُس کے قول پر بھروسہ نہ رہے گا اور فائدۂ بعثت مفقود ہو جائے گا۔

س۔ عصمت کس کو کہتے ہیں۔

ج۔ عصمت ایک پوشیدہ لطف و کرم ہے خدا کا جو کسی بندہ کے شامل حال ہو اس طرح کہ اُس کے لئے کوئی حاجت اور ضرورت نہیں رہتی جس سے وہ اطاعت کو ترک کرے اور معصیت کا مرتکب ہو باوجود قدرت و اختیار کے یعنی وہ مجبور نہیں ہوتا بلکہ خدا اُس کی مدد کرتا ہے اور اُس کو سہارا دیتا ہے اُس کے مقصد میں یہ لطف اگرچہ خدا کی طرف سے ہر عبد مومن کے شامل حال ہوتا ہے مگر چونکہ معصومین اپنے افعال و اطاعت کے ذریعہ سے اپنے کو مستحق مزید لطف کر دیتے ہیں اس وجہ سے ان حضرات پر لطف و کرم بے انتہا ہو جاتا ہے۔

س۔ جب خداوند عالم پر لطف واجب ہے اور یہ لطف اُس کا مکلّف کے لئے عام ہے کہ بندہ کو طاعت سے قریب اور گناہ سے دور کر دے پھر نبی کے لئے تخصیص لطف اس جگہ کیوں ہے۔

ج - چونکہ جتنا انسان اپنے کو معاصی سے دور رکھے گا اور اطاعت میں مصروف ہوگا اُتنا ہی لطف الٰہی زیادہ شامل حال ہوگا اور انبیاء و ائمہ علیہم السلام پر زیادتی لطف بسبب اُن کی پاکیزگی خلقت اور ملکہ نفسانیہ کے زیادہ ہوتی ہے کہ عادت راسخہ اور ملکہ ترک معصیت اور اطاعت کے بجا لانے کا پیدا کر لیتے ہیں یہاں تک کہ اُن کی خواہش وہی ہوگی جو خدا چاہتا ہے اور اُسی سے ناراض ہوں گے جس سے خدا ناراض ہو اور یہ صفت معصوم کی ہے یعنی اُن کی کوشش رضائے خالق حاصل کرنے میں عام بندوں سے زیادہ ہوتی ہے لہذا یہ حضرات عصمت اور مخصوص لطف کے مستحق بن جاتے ہیں۔

س - آیا معصوم مجبور ہے کہ وہ گناہ نہ کر سکے۔

ج - ایسا نہیں ہے بلکہ اپنے اختیار سے ترک معصیت کرتے ہیں ورنہ اُس کے عوض میں انعام الٰہی کے مستحق نہ ہوں گے اور یہ ایک ایسا امر ہے کہ جس کے ساتھ خداوند عالم اس لطف کو برت دیتا ہے وہ ہرگز ہرگز معصیت اختیار نہیں کرتا کیونکہ جب عام عقلا معصیت سے بچتے رہتے ہیں تو جن کو خدا سہارا اور مدد دے وہ کب معصیت کر سکتے ہیں اور اس قسم کا لطف مخصوص صرف اُنھیں چند ذاتوں کے لئے ہے جو اپنی قوت عقل پاکیزگی ذات محاسن صفات مکارم اخلاق و صدق نیت و خلوص محبت پروردگار

سے ممتاز ہیں۔

س۔ اس شرف سے انبیاء وائمہ علیہم السلام ہی کیوں معزز اور ممتاز کیے گئے۔

ج۔ یہ امر بالکل صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم ہے اور وہ جانتا تھا کہ کون اس عہدہ کی قابلیت رکھتا ہے نیز دنیا والوں کو بھی اُس کا امتحان کے لئے جتادیا کہ ایسے پاک اور مطیع بندے ہمارے لطف خفی اور عصمت کے مستحق ہیں اور یہی ہادی خلق ہیں پس انھیں ذوات مقدسہ کو اپنے اس لطف خاص عصمت سے ممتاز کیا۔

س۔ اگر انبیا اور ائمہ علیہم السلام کو معصوم نہ مانیں تو کیا قباحت ہے۔

ج۔ (اول) یہ کہ غرض بعثت انبیا کی پوری نہیں ہوتی کیونکہ اگر گناہ انبیاء وائمہ سے سرزد ہونا مان لیا جاوے۔ تو جھوٹ بولنا بھی ممکن اور جائز ہوگا پس احکام اوامر و نواہی اور وعدہ وعید جو کچھ نبی بیان کرے گا اُس پر احتمال جھوٹ کا ہوگا اور لوگ اُس کا اعتقاد و یقین نہ کریں گے اور اصل مطلب بعثت کا فوت ہو جاوے گا۔

(دوم) اگر انبیاء کو معصوم نہ مانیں اور اُن سے گناہ سرزد ہو تو اُس میں اُنکی پیروی واجب ہوگی کیونکہ اللہ نے اُن کی عام پیروی کا حکم دیا ہے تو اجتماع ضدین یا نقیضین ماننا لازم آتا ہے اس وجہ سے گناہ میں بھی پیروی کرنی پڑے گی اور گناہ سے بچنے کے لئے بھی کیونکہ گناہ سے بچنے کے لئے

بعثت انبیا ہے اور اجتماع ضدین یا نقیضین کا حکم خدا سے محال ہے
لھذا انبیا کا معصوم ہونا ضروری ہے۔

س۔ اگر انبیا، قبل بعثت غیر معصوم ہوں اور اُس وقت گناہ سرزد ہوئے ہوں تو کیا قباحت لازم آتی ہے۔

ج۔ قبل بعثت انبیار کا معاصی میں ملوث ہونے کا یہ اثر ہوگا کہ عوام کہیں گے یہ وہی ہے جو کل یہ افعال ناشائستہ بجالاتا تھا اور آج مدعی نبوت ہے اور ہدایت کرتا ہے اُس کا وقار لوگوں کی نظر سے جاتا رہیگا اور غرض فوت ہو جائے گی۔ دوسرے یہ کہ ہر فاسق اور فاجر گنہگار اس مرتبہ نبوت کا مستحق نہیں ہو سکتا ہے پس وہ شخص جو عرصہ تک کفر اور معصیت میں بتلا رہا ہو کس طرح خداوند عالم کا محبوب اور اُس کی عنایت ولطف خاص کا مستحق ہو سکتا ہے اور کیونکر ہادی خلق بن سکتا ہے۔

س۔ علاوہ معصوم ہونے کے اور کیا اوصاف نبی میں ہونے چاہئیں۔

ج۔ جس طرح انبیار کا معصوم ہونا گناہ سے واجب ہے اسی طرح یہ بھی واجب ہے کہ سہو ونسیان انبیا پر طاری نہ ہوتا ہو۔ انبیار تمام عیوب جسمانی اور اخلاق ذمیمہ نفسانی اور امراض جسمانی قابل نفرت سے خالی ہوں اور خباثت طبع اور دنائت نسب بھی نہ ہو آباؤ اجداد کا کفر اور بدکاری امہات اور خاندان رذیل سے نہ ہونا بھی لازم ہے اور واجب ہے تاکہ تنفر طبع کا

موجب نہ ہو اور متصف صفات کمال اور اخلاق حسنہ و شمائل جمیلہ اور بزرگی آبا و شرافت قبیلہ سے بھی ہو تاکہ موجب رغبت انسان ہو اور اُس کی اطاعت کی طرف انسان راغب ہوں اور کلام مجید میں جو آیات ظاہری اعتبار سے اس کے خلاف معلوم ہوتی ہیں یعنی انبیاء کی عصیان پر دلالت کرتی ہیں اُن کی صحیح تاویلات ائمہ علیہم السلام نے فرمادی ہیں جو کتب مبسوطہ میں موجود ہیں منجملہ اُن کے کتاب تنزیہ الانبیا جس کو جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اعلی اللہ مقامہ نے ترتیب دیا ہے اُس کو دیکھ کر اپنی تسکین کرسکتے ہیں۔

س۔ معجزہ کس کو کہتے ہیں۔

ج۔ معجزہ اُس امر کو کہتے ہیں کہ عام طور سے انسان اُس کے کرنے سے عاجز ہوں اور وہ خلاف عادت ہو اور دعوی پیغمبری اور امامت کے ساتھ ساتھ ظہور میں آئے اور جو امور خارق عادات دعوی پیغمبری اور امامت کے بغیر کسی شخص سے ظاہر ہوں اُن کو کرامت کہتے ہیں۔

س۔ شعبدہ۔ جادو۔ نظر بندی اور معجزہ میں کیا فرق ہے۔

ج۔ (۱) سحر اور شعبدہ کا اثر آسمان پر نہیں ہوتا لیکن معجزہ آسمان کے اجرام سے بھی متعلق ہو سکتا ہے۔

(۲) سحر اور شعبدہ خواب کی حالت میں کوئی نہیں کرسکتا اور معجزہ کا اثر خواب

میں بھی ہو سکتا ہے۔

(۳) شعبدہ۔ جادو۔ نظر بندی وغیرہ اس طرح ہوتے ہیں کہ اصل سبب کو پوشیدہ کرکے مسبب ظاہر کرتے ہیں اور اسی وجہ سے اُس میں سیکھنے اور مشق کی ضرورت ہوتی ہے بخلاف معجزہ کے کہ اُس میں کوئی سبب پوشیدہ نہیں ہوتا اور نہ پہلے سے کسی مشق کی ضرورت ہوتی ہے اور جو معجزات ظاہر ہوئے اُس کا آج تک کوئی سبب نہ معلوم کر سکا اور نہ کسی صاحب معجزہ کو اُس کے مشق کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اور خداوند عالم نے ہمیشہ ہر نبی کو ایسا معجزہ کرامت فرمایا جو اُس زمانہ کے مناسب تھا اور اُس زمانہ کے انسان اُس امر میں اپنے آپ کو اعلیٰ مرتبہ پر سمجھے ہوئے تھے مثلاً حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں حکمت و طب کا علم بہت ترقی پر تھا تو آپ کو یہ معجزہ دیا گیا کہ آپ مردہ کو زندہ اور مبروص اور اندھوں کو دم زدن میں اچھا کر دیتے تھے ہمارے نبی خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو قرآن عطا فرمایا کیونکہ اُس زمانہ میں عربوں کو اپنی ادب اور زباندانی اور فصاحت و بلاغت پر بہت ناز تھا اور علاوہ اپنے سب کو عجم یعنی گونگا کہتے تھے اس لئے قرآن کا معجزہ عطا کیا گیا کہ اہل زبان فصیح و بلیغ ویسا نہ لکھ سکے اور عاجز رہے۔

س۔ عام نبوت کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیے۔

ج - یہ کہ خداوند عالم نے ہدایت خلق کے لئے وقتاً فوقتاً انبیا بغرض ہدایت بھیجے اول اُن میں حضرت آدم علیہ السلام اور آخر سب کے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اس درمیان میں بنا بر مشہور ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب انبیا مبعوث ہوئے - بعد ہمارے نبی کی شریعت کے کوئی شریعت ہوئی نہ ہوگی یہ ہی ناسخ تمام شریعتوں کی ہے اور یہ ہی تاقیام قیامت قایم رہیگی اور اُس شریعت کے محافظ ائمہ علیہم السلام ہیں جو تاقیام قیامت رہیں گے جن کا تذکرہ بحث امامت میں آوے گا -

قرآن مجید میں تذکرہ جن انبیا و رسل علیہم السلام کا ہے اُن کا اعتقاد خاص طور پر رکھنا واجب ہے اور بعض انبیا کے اسمار مبارک یہ ہیں - حضرت آدمؑ شیثؑ - ادریسؑ - نوحؑ - ہودؑ - صالحؑ - شعیبؑ - ابراہیمؑ - لوطؑ - موسیٰؑ - عیسیٰؑ - اسمٰعیلؑ - یعقوبؑ - یوسفؑ - داؤدؑ - سلیمانؑ - یونسؑ - الیاسؑ - محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبر آخر الزمان -

جناب محمد مصطفےٰ ہمارے نبی کل برائیوں سے پاک تھے خواہ وہ ذاتی ہوں یا صفاتی ہوں اور تمام خوبیوں سے آراستہ بلکہ تمام انسانوں سے افضل اور اکمل تھے جو انبیا کے لئے ہونا چاہیئے اور چونکہ مقصود خدا کا مخلوق کو نبی کا مطیع و منقاد کرنا اور اُس کی طرف توجہ دلانا ہوتا ہے لہذا ضرور ہے کہ نبی اوصاف حمیدہ سے متصف ہو مثل اس کے کہ کمال

عقل وذکاوت وفطنت اور یادداشت والا ہو اور قوت راے اور
شہامت ونجدت اور عفو اور شجاعت وکرم سخاوت وجود اور ایثار اور
غیرت اور رافت ورحمت تواضع اور فروتنی وغیرہ سے متصف ہو اور وہ
حضرت ان تمام چیزوں سے آراستہ تھے۔ اور چونکہ نبی کے لئے یہ بھی
ضروری ہے کہ قابل نفرت چیزوں سے پاک ہو یہ پاکی خارج سے ہو
مثل صحتِ جسم کل علتوں سے جو اختیاری نہیں ہے اور شرافت آباد
امہات کے یا اُس کی ذات سے متعلق ہو کہ وہ جملہ عیوب سے پاک ہو
جیسے راستہ میں کھانا کھانا اور رذیلوں کی صحبت میں بیٹھنا یا جولاہا اور
حجام ومہتر ہونا اور کوئی ذلیل پیشہ والا ہونا یا پاکیزگی اخلاق کے لحاظ سے
ہو کہ نبی اخلاق کی برائیوں سے خالی ہو مثل حقد وجہل وحسد اور ترش روئی
وسخت گیری وبخل وجُبن اور خوشامد وحرص اور توجہ دنیا پر اور اہل دنیا
کی رعایت امور دین میں اور خدا کی اطاعت کے مقابلہ میں اُن کو معاف
کردینا یا مثل اُس کے اور عیوب اگر ہوں گے تو اہل عقل کی نظروں سے
گر جائے گا اور غرض بعثت مفقود ہو جائے گی ہمارے نبی آخر الزماں کل
عیوب سے پاک وصاف تھے۔ ع

فدائے خاک پایت اے حبیب صانع یکتا

۶-امامت

س۲- ہمارے نبی کی نیابت سے کیا مراد ہے۔

ج- نبی کی نیابت سے مراد اس کا اعتقاد کرنا ہے کہ بعد محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین بارہ امام شریعت مصطفوی کے محافظ ہیں اور جو منجانب خدا و رسول منصوص ہیں اور اس بات کا اعتقاد رکھنا ہے کہ بارہویں امام مہدی عجل اللہ ظہورہ زندہ ہیں اور غائب ہیں اور جس وقت حکم خدا ہو گا ظہور فرماوینگے۔

س۱- امامت کیا ہے۔

ج- امامت ریاست و حکومت عامہ ہے امور دین و دنیا کی کسی شخص معین کے لئے نبی کی نیابت میں۔

س۳- امامت کی ضرورت کیا ہے۔

ج- جو وجوہ انبیا کے مبعوث کرنے میں ہیں اور بحث نبوت میں بیان ہو چکے ہیں وہی وجوہ نصب امام کے ہیں کیونکہ جب خداوند عالم نے سلسلۂ انبیا ختم کر دیا اور مکلفین باقی رہے تو شریعت کا محافظ مقرر کرنا یکے بعد دیگرے واجب اور لازم ہوا کیونکہ ختم نبوت ایک قبیح فعل ہو گا اگر اُس کا بدل نہو اور

بدل اُس کا امامت ہے۔

س۔ امام کا مقرر کرنا خدا پر کیوں واجب ہے۔

ج۔ یہ امر مسلم ہے کہ خدا پر لطف واجب ہے اور بعثت انبیا لطف ہے اسی طرح نصب امام بھی لطف ہے جس میں کوئی مفسدہ نہیں ہے اور ہر وہ لطف جس میں مفسدہ نہو خدا پر واجب ہے پس نصب امام بھی واجب ہوا جبکہ نبوت کو ختم کر دیا۔

س۔ نصب امام اُس وقت لطف خدا ہے کہ جب امام ظاہر ہو غائب ہونے کی حالت میں کیا فائدہ پھونچتا ہے۔

ج۔ وجود امام سے ہر طرح فائدہ ہے جس طرح آفتاب کے طلوع سے خواہ دکھائی دے یا نہیں ایک عقلی فائدہ تو یہ ہے کہ جب ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ امام موجود ہے اور غیبت اور گوشہ نشینی بسبب دنیا پر شر و فساد غالب ہونے کے ہے (یعنی اگر امام آخر آج معلوم ہو جائے کہ کہاں ہے تو اُس کا پتہ لگا کر اُس کو مثل حسین قتل کر دیں اور چونکہ سلسلہ امامت جو بدل نبوت ہے ختم ہے تو حجتِ خدا سے دنیا خالی ہو جائے اور خدا کو باقی رکھنا ہی) تو مکلف یہ خیال کرے گا کہ نہ معلوم کس وقت اسباب خوف اور شر زائل ہو جاویں اور نفاذ حکم امامت کا ہو لہذا یہ عقیدہ اُس کو گناہوں سے باز رکھنے کے لئے کافی ہے بخلاف اس کے کہ بالکل عقیدہ اُس کے وجود ہی کا نہ ہو۔

علاوہ اِس کے جب خداوند عالم پر امام کا نصب واجب ہے تو اُس کے حکم کی پابندی کرنا نہ کرنا بندوں کے اختیار میں ہوگی ورنہ جبر لازم آئیگا جیسا نبی کے لئے ہے پس اگر ظاہر بھی ہوا اور بندے اُس کے احکام کی پابندی نہ کریں تو امامت پر کیا اثر ہے جب نبوت پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہی حال غیبت میں ہے کیونکہ غیبت امام دنیا میں مددگار نہ ہونے اور امام کے درپے آزار ہونے کی وجہ سے ہے کتب تواریخ سے ثابت ہے کہ گیارہ اماموں میں سے جو مدعی امامت ہوا وہ قتل کیا گیا یا زہر دیا گیا اب اگر حضرت حجت بھی ظاہر ہوتے تو قتل کئے جاتے یا زہر سے شہید ہوتے اِس لئے آپ کی غیبت ضروری تھی کیونکہ آپ کے بعد کوئی امام ہونے والا نہ تھا اور تاریخیں بتلا رہی ہیں کہ حضرت حجت کے قتل کی بھی وہی تدبیریں کی گئیں جس طرح اُن کے آبا و اجداد طاہرین کے لئے کی گئی تھیں نصب امام خدا پر واجب ہے چنانچہ امام نصب و معین ہوا لوگ درپے قتل ہوئے اِس لئے غیبت کا الزام خدا پر نہیں ہوا بلکہ اُن لوگوں پر ہے جو درپے قتل ہوئے پھر خدا نے دنیا سے اُٹھایا نہیں دنیا ہی میں رکھا صرف دشمنوں سے چھپا دیا۔ فائدہ حاصل کرنے والے فائدہ حاصل کرتے رہے اور اب بھی حاصل کرتے ہیں کیا جب جناب رسول مقبول ہجرت کر گئے یا غار میں غایب ہو گئے تھے اور کئی روز تک

کسی کو پتہ نہ لگا تھا تو فائدہ رسالت مفقود ہو گیا تھا ہر گز نہیں پس وہ کم زمانہ کی غیبت تھی یہ مدت دراز لیکن ظہور کا علم نہ وہاں کسی کو تھا نہ یہاں۔

س۔ وہ بارہ امام کون ہیں جن کی امامت کا اعتقاد رکھنا لازم او رواجب ہے۔

ج۔ (۱) حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام (۲) امام حسن ابن علی علیہ السلام (۳) امام حسین ابن علی علیہ السلام (۴) امام زین العابدین ابن امام حسین علیہ السلام (۵) امام محمد باقر ابن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام (۶) امام جعفر صادق ابن امام محمد باقر علیہ السلام (۷) امام موسیٰ کاظم ابن امام جعفر صادق علیہ السلام (۸) امام علی رضا ابن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (۹) امام محمد تقی ابن امام موسیٰ رضا علیہ السلام (۱۰) امام علی نقی ابن امام محمد تقی علیہ السلام (۱۱) امام حسن عسکری ابن امام علی نقی علیہ السلام (۱۲) امام مہدی آخرالزمان عجل اللہ فرجہ ابن امام حسن عسکری علیہ السلام۔

س۔ اس بات کی کیا دلیل ہے کہ یہ ہی بارہ امام منصوص من اللہ اور خدا کی جانب سے معین ہیں۔

ج۔ پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ امام کے پہچاننے کے تین طریقہ ہیں۔ ایک یہ کہ نص اور تصریح پیغمبر اُس کے وصی ہونے پر ہو دوسرے یہ کہ وہ صفات و کمال میں تمام دنیا سے افضل و اعلیٰ ہو تیسرے یہ کہ دعویٰ امامت

کا کرے اور اُسی کے ساتھ معجزہ دکھائے اور یہ تینوں باتیں ہمارے بارہ اماموں میں متحقق ہیں ذیل کے دلائل سے بھی امامت ائمہ ثابت ہی۔

(۱) یہ کہ باتفاق جملہ مسلمین جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے میری اولاد سے اور وہ سب مثل میرے معصوم ہوں گے۔ تمام مسلمان قائل ہیں کہ سوائے اِن بارہ کے اور کوئی معصوم نہیں ہوا نہ کسی نے عصمت کا دعویٰ کیا۔

(۲) اِن میں سے ہر ایک نے دعویٰ امامت کیا اور اُن کی عصمت و پاکدامنی اُن کے جھوٹ بولنے سے مانع ہے بلکہ عبادت۔ زہد۔ اتقا اور دیگر مکارم اخلاق اِن کے متواتر ایسے پہونچے ہیں جو سچائی پر دال ہیں۔

(۳) یہ کہ یہ حضرات (بلا کسی کے پڑھائے ہوئے) عالم کل علوم کے تھے جو خرق عادت اور اعجاز ہے اور اُن کے خلیفہ خدا ہونے کی کافی دلیل ہے۔

(۴) جناب رسول خدا نے نام بنام بھی اِن ائمہ علیہم السلام کے متعلق نص فرمائی ہے جیسا تاریخ حبیب السیر اور ینابیع المودۃ میں ہے جو کتب معتبرہ اہل اسلام سے ہیں۔

(۵) یہ کہ معجزات بکثرت اُن سے ظاہر ہوئے جن سے اُن کا خلیفہ رسول ہونا ثابت ہے۔

(٦) اُن حضرات میں وہ صفات جو انبیا و خلفائے الٰہی کیلئے قرآن مجید میں درج ہیں وہ سب بلکہ اُن سے زائد موجود تھے۔

(۷) یہ کہ اُن حضرات سے وہی امور سرزد ہوئے جس کی خبر ہمارے رسول مقبول دے گئے تھے کہ میرے بارہ قایم مقاموں میں فلاں فلاں باتیں پائی جائیں گی اور یہ یہ حالات گزرینگے اور مطابق ہوئے۔

س۔ امام میں کیا اوصاف ہونے چاہئیں۔

ج۔ پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ جو شرائط نبی میں معتبر ہیں وہی امام میں بھی معتبر ہیں اور وہی دلائل مذکورہ اس جگہ بھی جاری ہیں جو بیان ہو چکے لیکن جو شرط نبی کے نسب کی ہے کہ شریف النسب ہو تو اُس کے ثابت کرنے کی یہاں ضرورت نہیں کیونکہ ہمارے اماموں کا نسب ہمارے نبی کا نسب ہے تاہم چند اوصاف امام کے بیان کئے جاتے ہیں۔

وصف اول یہ کہ معصوم ہو۔

(۱) اگر معصوم نہ ہوگا تو اُس سے گناہ سرزد ہونے کا احتمال ہوگا اور آیہ لاینال عھدی الظالمین[۱] یعنی گنہگار کو خدائی حکومت کا کوئی عہدہ نہیں مل سکتا اُس کی امامت کو روکتی ہے نیز دلوں سے اُس کی وقعت گر جائے گی اور فائدہ امامت کا نہ رہیگا کہ لوگ اُس کی تابعداری کریں اور شریعت رسول کا محافظ مانیں معصوم ہونے کے دیگر دلائل حسب ذیل ہیں۔

[۱] پارہ ۱۔ سورہ بقر۔ رکوع ۱۵۔

(۲) اگر معصوم نہ ہوگا تو اماموں کا تسلسل لازم آئے گا کیونکہ بعد رسول کے امام کے وجود کا فائدہ یہ ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکے اور مظلوم کا عوض اُس سے دلائے اور اُن چیزوں کو جو اپنی رعیت اور خدا کے بندوں کے لئے بہتر ہیں مہیا کرے اور جو اُن کو مضر ہیں اُن سے روکے پس امام اگر معصوم نہ ہوگا اور جایز الخطا ہوگا تو امور مذکورہ انجام دینا اُس کا یقینی نہ ہوگا اور وہ کسی اور معصوم کا محتاج ہوگا جو اُن امور کو انجام دے اور اِس طرح ایک لا انتہا سلسلہ قایم ہو جائے گا جو محال ہے۔

(۳) امام اگر معصوم نہ ہوگا تو اُس سے گناہ سرزد ہونے کا احتمال ہوگا اور جب معصیت کا مرتکب اُس کو پایا جائے گا تو یا تو اُس گنہگار امام پر انکار معصیت سے واجب و ضروری ہوگا تو دلوں سے اُس کا وقار گر جائیگا اور فائدہ نصب امام کا مفقود ہو جائے گا اور اگر انکار گناہ سے واجب نہ مانا جائے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وجوب ساقط ہو جائیگا اور ایسا ہو نہیں سکتا۔

(۴) امام حافظ شریعت ہے اور جو حافظ شریعت ہو اُس کا معصوم ہونا لازمی ہے تاکہ اُس پر بھروسہ کر سکیں کہ وہ کچھ کمی و زیادتی نہ کرے گا ورنہ شریعت موجودہ پر یقین باقی نہ رہیگا۔

وصف دوئم یہ کہ امام منصوص ہو یعنی خدا کی طرف سے معین کیا ہوا ہو

کیونکہ عصمت (پاکدامنی) جو شرط امامت ہے امور باطنہ میں سے ہے
جس کو سوائے خداوند عالم کے کوئی نہیں جانتا پس اُس ذات کی طرف
سے جو مافی الضمائر اور دل کے بھیدوں سے آگاہ ہے امام کے لئے
نص کا ہونا نہایت ضروری ہے یا ظہور معجزہ اُس کے ہاتھ پر اُس کی سچائی
کا گواہ ہو یہ نص یعنی خدا کا معین کرنا دو طریقوں سے معلوم ہوتا ہے یعنی
کسی امام کی امامت خدا کی جانب سے دو طرح معلوم ہوتی ہے کہ یا تو
کوئی معصوم (نبی یا نائب نبی) اس بات کو جتلائے کہ یہ معصوم ہے اور
اُس کو خدا نے سردار معین کیا ہے اور ہم خود اس نص کو نبی یا امام سابق
سے معلوم کریں یا شہادت نص کی کافی بہم پہونچے اس صورت سے اس
کے منصوص من اللہ ہونے کا ہم کو علم ہو اور یا اللہ اُس کے ہاتھ پر معجزہ
ظاہر کرے جو اُس کے ادعائے امامت کی سچائی پر دلالت کرے۔
وصف سوئم یہ کہ امام زمانہ اپنی رعایا اور کل اپنے اہل زمانہ سے افضل ہو،
جیسا نبی کا افضل ہونا بیان کیا گیا ورنہ ترجیح بلا مرجح یا تفضیل مفضول
لازم آئے گی یعنی ادنیٰ کو اعلیٰ پر فضیلت دینا لازم آوے گا جو عقلاً قبیح ہے
نیز اُس کے آبا و اجداد کافر اور رذیل نہوں اُس کو وہ مرض نہ ہو جس سے
آدمی نفرت کرتے ہوں وغیرہ وغیرہ جیسا مبحث نبوت میں گزرا کیونکہ نبی
میں جو اوصاف لازمی ہیں وہی جانشین نبی میں بھی ہونا ضروری ہیں بجز نبوت کے۔

تنبیہ۔ بعض فرق اسلامیہ کہتے ہیں کہ جب اُمت کسی ایسے شخص کی بیعت کرلے جس کی استعداد امامت کے لئے اُن کے نزدیک ثابت ہو اور اپنی شوکت کے باعث وہ اسلامی ممالک پر غالب آجائے تو وہ بھی امام بن جاتا ہے۔ اور یہ دو وجہوں سے باطل ہے (۱) ایک یہ کہ خلافت اور امامت خدا اور رسول کی قایم مقامی ہے پس بلا اُن کے کہے کس کو حق معین کرنے کا ہے (۲) دوسرے یہ کہ احتمال ہے کہ ہر فرقہ اپنی مرضی کے موافق کسی کے ہاتھ پر بیعت کرلے جس سے فتنہ و فساد و نزاع امت میں پڑجائے جیسا واقع ہوا۔

س۔ امامت کے متعلق قرآن میں کہیں تذکرہ نہیں پھر اِس کو اصول دین میں کیوں داخل کیا گیا۔

ج۔ یہ ایک دھوکہ ہے قرآن مجید میں صاف اور صریح طور پر امامت کا ذکر ہے جیسا قرآن میں ہے کہ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ۔ (پارہ ۶ سورہ مائدہ رکوع ۱۲) یعنی بس تمہارا حاکم خدا ہے اور اُس کا رسول اور وہ ولی ایمان لانے والے جو نماز قایم کرتے اور زکوٰۃ حالت رکوع میں دیتے ہیں۔ دوسری آیہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ (پارہ ۵ سورہ نسار رکوع ۵) یعنی سب

خدا کی تابعداری کرو اور اطاعت کرو رسول اور صاحبان امر کی جن کی حکومت کا خدا اور رسول نے حکم دیا ہے علاوہ اس کے ملاحظہ ہو یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ - (پارہ ۶ سورہ مائدہ رکوع ۱۳) مفسرین کہتے ہیں یہ آیت امامت امیرالمومنین علیہ السلام کے متعلق نازل ہوئی ہے یعنی اگر امامت کی تبلیغ نہ ہوتی تو رسالت حد کمال کو نہ پہونچتی جس سے معلوم ہوا کہ جس طرح اقرار توحید خدا و عدل بلا نبوت کے اقرار کے کوئی معنی نہیں رکھتا اسی طرح بلا امامت کے رسالت کا اقرار کامل نہیں ہے اور یہ سب اصول دین ہیں۔

امامت کی تبلیغ کے بعد دین کامل ہوا جیسا کہ آیہ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ (پارہ ۶ سورہ مائدہ رکوع ۵) سے ظاہر ہے یعنی قبل تبلیغ امامت دین الہی کامل نہ تھا بعد تبلیغ امامت کامل ہوا توحید سے دین پیدا ہوا اور امامت پر حد کمال کو پہونچ گیا۔
اُس کے علاوہ ہمارے علماء رضوان اللہ علیہم نے دفتر کے دفتر اور بکثرت کتابیں اس مطلب پر لکھیں چنانچہ جناب علامہ حلی علیہ الرحمۃ نے جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی امامت دو ہزار دلیلوں سے ثابت کی ہے اور ایک مستقل کتاب اس بارے میں تالیف فرما کے اُس کا نام

الفین رکھا ہے جس میں دو ہزار دلیلیں امامت پر موجود ہیں۔

س ۔ جب کہ ائمہ علیہم السلام خدا اور رسول خدا کے معین کئے ہوئے ہیں اور اُن کی اطاعت خدا کی جانب سے فرض ہے تو اُن لوگوں کے بارے میں کیا اعتقاد ہونا چاہیئے جنھوں نے ان کو ان کے مراتب سے علیٰحدہ کیا اور اُن پر مظالم کئے اور اُس عہدہ پر کسی حیلہ یا دنیوی غلبہ سے قابض ہو گئے اور خلیفہ رسول بن بیٹھے۔

ج ۔ ایسے اشخاص اور جو اُن کے ممد اور معاون ہیں مومن نہیں اور اصول اسلام کے موافق ظاہر میں حکم اسلام اُن پر جاری ہوگا مثل اکل و شرب و نکاح و عدم اخذ اموال وغیرہ و طہارت کے کیونکہ اصول اسلام تین ہیں اور اصول ایمان پانچ۔

۷۔ معاد (قیامت)

س ۔ قیامت کس کو کہتے ہیں۔

ج ۔ قیامت اور معاد کے یہ معنی ہیں کہ انسان کی روح بعد مرنے کے پھر اُسی جسم میں عود کرے گی اور اُس کے اعمال کی جزا اور سزا دی جاوے گی اِسکا اعتقاد رکھنا کہ معاد جسمانی ہوگی ضروری ہے۔

س ۔ قیامت کے اعتقاد کی کیا ضرورت ہے۔

ج ۔ اگر قیامت کا اعتقاد نہ ہو تو تکلیف بیکار ہو جاتی ہے حالانکہ وہ ثابت ہو چکی اور جب انسان کا مکلف ہونا ظاہر ہے تو معاد بھی یقیناً ہے نیز کل انبیا نے اِس کی خبر دی ہے۔

عقلی دلیل معاد پر ۔ کیونکہ تکلیف ایک مشقت ہے جس کا معاوضہ دینا لازمی ہے اور مشقت بلا کسی عوض کے ظلم ہے۔ اور جب یہ عوض زمانۂ تکلیف میں نہیں ملتا پس ضرور ہے کہ کوئی دوسرا زمانہ ہو جس میں عوض ملے اور محنت و مشقت کی جزا دی جائے خداوند عالم کلام پاک میں فرماتا ہے۔ ضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَّ نَسِیَ خَلْقَہٗ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ

هِیَ رَمِیْمٌ ۔ قُلْ یُحْیِیْھَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَھَآ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّھُوَ بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ ۔ (پارہ ۲۳ سورۃ یٰس رکوع ۴) یہ آیت موافق روایات عامہ و خاصہ اُس وقت نازل ہوئی کہ اُبَی ابن خلف رسول اللہؐ کے پاس ایک بوسیدہ ہڈی کو لایا اور ہاتھ سے مَلکر ریزہ ریزہ کر دیا اور کہا تم کہتے ہو کہ خدا اِس بوسیدہ ہڈی کو قیامت میں زندہ کرے گا حضرت نے فرمایا ہاں اور تجھکو بھی زندہ کرے گا۔ اور داخل جہنم کریگا ظاہری ترجمہ اِس آیہ کا یہ ہے کہ اُس نے مثل بیان کی اور اپنی خلقت کو بھول گیا اور کہا کون بھلا اِس بوسیدہ مردار راکھ ایسی ہڈی کو زندہ کرے گا۔ اے رسول ہمارے کہدے کہ وہی خدا اُس کو زندہ کرے گا جس نے کہ پہلی مرتبہ خلق کیا جبکہ کوئی مادہ نہ تھا اور وہ ہر پیدایش کی نوعیت کا عالم و دانا ہے اور ہر مخلوق کے طریقۂ پیدایش یا طرز بناوٹ کا علم رکھتا ہے یعنی اب تو صرف منتشر اجزا کا اکھٹا کرنا ہی جس نے غیر موجود اجزا کو پیدا کیا اُس کے نزدیک انکا اکھٹا کرنا کیا مشکل ہی۔ اس کے علاوہ بکثرت آیات حشر و نشر و معاد پر دلالت کرتی ہیں۔

عقل بھی ضرورت معاد کو بتاتی ہے کیونکہ ثواب و عذاب کا وعدہ ہے اور وفا کرنا اُس کی روح کے دوبارہ جسم میں واپس کرنے پر موقوف ہی لہذا دوبارہ زندگی ضروری ہے اگر مقتضائے حکمت قیامت نہ ہوتی اور مشقت کا عوض دینا مقصود نہ ہوتا تو عبادت کا حکم اور محرمات سے

باز رہنے کو نہ فرماتا خلاصہ یہ کہ واجب ہے اقرار تمام اُن باتوں کا جن کی خبر پیغمبر خدا نے دی ہے جزا و سزا دینے کی غرض سے خدا کا مُردوں کو زندہ کرنا اور اقرار روز قیامت کا اور جو کچھ قیامت میں واقع ہوگا۔ صراط۔ میزان اور اعضا کا گویا ہو کر اعمال کی گواہی دینا اور کھولا جانا اعمال ناموں کا اور ثواب و عذاب کا ملنا اور بہشت و دوزخ کا اعتقاد اِس واسطے کہ جب اصل قیامت کا اقرار ہے تو اُس کے کُل لوازم کا اقرار لازمی ہے۔ جس طرح کسی سے کوئی شے بازار سے منگوائی جائے تو اُس کے لوازم کا خیال ضروری ہے مثل تول۔ ناپ۔ ترازو۔ پیمانہ ظرف جس میں وہ منگائی ہوئی شئے سمائے۔ قیمت دینا اور کھری قیمت دینا نہ کھوٹی اور لانے والے کے لئے سامان مُہیا کرنا غرض معاملہ بیع میں جتنی چیزیں ہو سکتی ہیں اِن سب چیزوں کا لحاظ و خیال لازم ہوگا اسی طرح قیامت اور روز جزا کے سزا کے متعلق جتنی چیزیں ہوں اُن سب کا اعتقاد شرعاً اور عقلاً ضروری و واجب ہے۔

س۔ وقوع معاد اور موت کے بعد زندہ ہونا اور حشر اجسام کیسے ممکن ہے۔

ج۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ معاد عقلاً ضروری ہے تو اُس کے امکان کا ثبوت یہ ہے کہ جب اجزا میت جمع ہونے کی قابلیت رکھتے ہیں اور حیات کا اُس پر فیضان ہو سکتا ہے کیونکہ قبل اِس موت کے یہ ہو چکا ہے اگر

وہ اجزا جمع ہونے کی قابلیت نہ رکھتے تو پہلے ہی اکھٹا نہ ہوتے تو جس طرح پہلے جمع ہوئے تھے اور حیات کا فیضان ہوا تھا۔ اسی طرح اب دوبارہ ممکن ہے کیونکہ کوئی مانع نہیں ہے بلکہ اب جمع ہونے میں بظاہر سہولیت ہے کیونکہ مادہ اجزا کا بسائط و عناصر سے جُدا ہو کر اپنے کو ممتاز کرا چکا ہے اور خالق و صانع وہی ہے جو پہلے تھا۔ اور اگر بخت و اتفاق سے اجزا کا یکجا ہونا کوئی مانتا ہو تو اتفاق تو دوبارہ بھی ہو سکتا ہے جبکہ ضرورت بھی لاحق ہے کیونکہ جس جسم کے میل سے اطاعت یا نافرمانی کی ہے عقل چاہتی ہے کہ جب عوض پانے کے لئے جسم کی ضرورت ہے تو پہلے ہی جسم کا عود ہو کہ اُسی نے پہلے لذّت و تکلیف اُٹھائی تھی وہی اب بھی لذت و تکلیف اُٹھائے۔

۸-فوائد متفرقہ

س- ثواب- عذاب- عوض عطا و تفضّل کس کو کہتے ہیں۔

ج- ثواب اُس نفع کو کہتے ہیں جو طاعت کے عوض میں استحقاقاً حاصل ہو اور اُس کے ساتھ تعظیم و بزرگی شامل "ہو" جس کو منعم کی محبت و اظہار محبت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

عذاب اُس نقصان و ضرر کو کہتے ہیں جو کسی گناہ کے عوض میں استحقاقاً دیا جاوے اور اُس سے ذلت و خفت ہو۔

عوض اُس نفع کو کہتے ہیں جو اگرچہ استحقاقاً دیا جائے لیکن اُس کے ساتھ کوئی عظمت اور بزرگی اور اظہار محبت نہ ہو۔

عطا و تفضّل اُس نفع کو کہتے ہیں جو بغیر کسی استحقاق کے عوض سے زیادہ دیا جاوے۔

س- علاوہ معاد جسمانی کے اور کن کن امور کا اعتقاد رکھنا لازمی ہے۔

ج- ثواب اور عذاب کے علاوہ جن کی تعریف سوال ماسبق میں گزری امور ذیل کا اعتقاد ضروری ہے۔

بہشت ایک آرام کی جگہ ہے جہاں ہمیشہ بعد قیامت رہنا ہوگا اور یہ اُن لوگوں کے لیۓ ہے جو مستحق ثواب ہیں اور ہر حال میں خوشنودی خدا کو مدنظر رکھتے ہیں۔

دوزخ۔ ایک سخت تکلیف کی جگہ ہے جہاں کفار ہمیشہ رہیں گے اور گنہگار عذاب کے لیۓ وہاں بھیجے جائیں گے جو مومن گنہگار سزا کے لیۓ وہاں بھیجے جائیں گے توبموجب قول رسولؐ یہ لوگ نکالے جائیں گے آگ سے اُس حال سے کہ جیسے جلی لکڑی یا کوئلہ ہوتا ہے پس اُن کو اہل جنت دیکھکر کہیں گے کہ یہ لوگ جہنمی ہیں پس چشمۂ حیواں (حیات) میں اُن کو بحکم خدا ڈبویا جائے گا تو یہ لوگ اِس طرح نکلیں گے کہ چہرہ اُن کے چودھویں رات کے چاند کی طرح دمکتے ہوں گے۔

منکر و نکیر۔ یعنی جب قبر میں مردہ زندہ کیا جائے گا تب دو فرشتہ مُنکر و نکیر (یا بشیر و مُبشر مومن کے لیۓ) پاس آئیں گے تو وحدانیت خدا و رسالت محمد مصطفےٰ و امامت ائمہ ہدیٰ اور دیگر عقائد ضروریہ کا سوال کرینگے اگر وہ مومن ہے اور جواب باصواب کل امور کا دے دیا ہے تو جنت کی بشارت دیکر چلے جائیں گے یہ بھی اعتقاد رکھنا لازمی ہے کہ جناب رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام اُس وقت قبر میں آتے ہیں اور امداد کرتے ہیں کیونکہ خدا کی جانب سے یہی قاسم بہشت و دوزخ ہیں۔

صراط - یہ ایک پُل جہنم کے اوپر بنا ہوا ہے جس پر سے اپنے اعمال کے اندازہ سے گزرنا ہوگا مومن اُس پر سے راحت اور آسانی سے مانند برق کے گزر جائیں گے اور جن کے اعتقاد خراب ہوں گے وہ دوزخ میں گر پڑیں گے اور اُس پر سے نہ گزر سکیں گے۔

حساب اعمال - یعنی بُرائی بھلائی سب کا حساب قیامت کے دن کیا جاوے گا اور ذرہ ذرہ جانچا جاوے گا۔

میزان - یعنی ہر شخص کے اعمال قدرتی ترازو میں تولے جاویں گے اگر نیک کام زیادہ ہوں گے تو نیکی کا پلّہ بھاری ہوگا اور اُس کی جزا ملیگی اور اگر بُرے کاموں کا پلّہ بھاری ہوگا تو سزا ملیگی اور محب اہلبیت کی نیکیوں کا پلّہ انشاء اللہ بھاری ہی نکلے گا اور دشمنوں کا پلّہ بہر حال سُبک رہیگا۔

اعضا کا گواہی دینا - یعنی ہمارے تمام اعضا جن سے بُرے یا اچھے کام ہوئے ہیں یہ ہی اعضا گواہی دیں گے کہ ہم اِس کے تابع تھے اور اِس کی خواہش سے ہم نے یہ کام اچھا یا بُرا کیا کیونکہ جب خدا کو متکلم مانا ہے تو ضرورت کے وقت ہر چیز کو وہ گویا بھی کر سکتا ہے۔

نشر صحائف یعنی اعمال نامہ کھولے جائیں گے اور اول روز سے آخر عمر تک جو کچھ کیا ہوگا وہ سب درج ہوگا جس کے واقف ہونے کے بعد بندہ کو خوشی یا شرمندگی ہونا ضروری ہے لیکن خدا ستار العیوب ہے بجز اپنی

ذات کے دوسروں کو نہیں جتلائیگا پھر بھی گنہگار عرق خجالت میں غرق ہو جائے گا۔

شفاعت یعنی جناب رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ قابل عفو گناہوں کی شفاعت و سفارش کر کے خدا سے معاف کرا دیں گے۔

رجعت یعنی قرب قیامت جب بارہویں امام ظہور فرمائیں گے تو جناب رسول خدا اور علی مرتضیٰ و دیگر ائمہ ہدیٰ زندہ ہوں گے اور برسوں دُنیا قایم رہیگی۔

س۔ اوپر بیان کئے ہوئے امور کا ہم کیوں اعتقاد رکھیں۔

ج۔ بحث نبوت میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تمام انبیا عموماً اور خاتم النبیین جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم معصوم ہیں اور صادق ہیں تو اُن تمام امور کا اعتقاد رکھنا لازمی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تعلیم فرمائے خواہ وہ از قسم اخبار ہوں اور اُن کے زمانہ سے پیشتر کے ہوں جیسے انبیائے ماسبق کے متعلق خبریں یا اُن کی اُمتوں کے متعلق اطلاعات کہ کس طرح پہلی اُمتیں معذب ہوئیں یا اپنے زمانہ کے متعلق ہوں مثل واجبات اور محرمات اور نص امامت و معراج وغیرہ یا اپنے زمانہ کے بعد کے ہوں مثل احوال موت اور اُس کے بعد کے حالات جیسے عذاب قبر میزان۔ صراط وغیرہ وغیرہ کے۔

س- ایمان - اسلام - کفر - نفاق - فسق کس کو کہتے ہیں۔

ج - ایمان - ضروریاتِ دین خصوصاً اصول دین کا اور دیگر جن چیزوں کا معصومین نے بیان فرمایا ہے اِقرار زبانی ہو اور قلب سے تصدیق ہو اور اگر جوارح سے عمل بھی ہو وہ ایمان کامل ہے۔ اور اگر زبانی اقرار سے کوئی امر مانع ہو تو فقط قلبی تصدیق کافی ہے۔

اسلام - اگر محض زبان سے توحید و رسالت کا اقرار ہو اور تصدیق قلبی کا ہونا معلوم نہ ہو تو وہ اسلام ہے۔

کفر - ایمان کا عکس کفر ہے یعنی ضروریاتِ دین سے انکار زبانی اور تکذیب قلبی ہو اور عمل کا تو ذکر ہی کیا کیونکہ کوئی عمل خیر بلا تصدیق قلبی وحدانیت وغیرہ کے قابل قبول نہیں۔

نفاق - اگر تکذیب قلبی کے ساتھ محض اظہار ہو تصدیق قلبی کا تو وہ نفاق ہے اور ایسے شخص کو منافق کہتے ہیں کہ ظاہر میں تو تصدیق کر رہا ہے لیکن اعتقاد نہیں رکھتا۔

فسق - باوجود دعوائے ایمان خدا کی اطاعت سے روگردانی کرنا فسق ہے۔

س- ثواب و عذاب کا کیا معیار ہے یعنی کون ثواب کے مستحق ہیں اور کون عذاب کے۔

ج- جو لوگ مومن ہیں اور کسی کے حق میں ظلم نہیں کیا وہ مستحق ثواب دائمی کے ہیں اور جو کافر ہیں وہ مستحق عذاب دائمی کے ہیں اگر مومن کے اعمال صالح

بھی ہیں اور کچھ اعمال خراب بھی ہیں پس یہ اعمال سیئہ گناہان صغیرہ ہیں تو یہ بعد توبہ یقینی معاف کردئے جائیں گے لیکن اصرار سے گناہ صغیرہ کا کبیرہ ہوجانا ممکن ہے اور اگر کبیرہ ہیں اور اُن سے توبہ کرلی تو بھی وہ معاف ہونگے کیونکہ بعد توبہ کے سقوط عذاب پر اجماع ہے لیکن اگر توبہ بھی نہیں کی ہے تو خداوند عالم کا گناہان کبیرہ پر عذاب کرنا ثابت ہے لیکن کسی وجہ سے اُس کا رحم کرنا بھی ممکن ہے جیسا کہ خود کلام پاک میں فرماتا ہے یعفوا عن السیّاٰتِ ویعفو عن کثیر (پارہ ۶ رکوع ۶ سورہ مائدہ) اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ وَاِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَۃٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِھِمْ (پارہ ۵ سورہ نسار رکوع ۱۵) یا شفاعت جناب رسول خدا وآلہ اطہار علیہم السلام سے بخشدیا جاویگا اور اگر کوئی ایسا گناہ ہے کہ خداوند عالم عفو کو بھی کام میں نہیں لاتا اور شفاعت بھی نہیں ہوتی تو اول عذاب کیا جاوے گا اور پھر داخل جنت ہوگا۔

گناہ

س۔ گناہ کس کو کہتے ہیں۔

ج۔ فعل قبیح ناجائز بجالانے اور واجب کے ترک کرنے کو گناہ کہتے ہیں جس کو اللہ نے واجب کیا ہے۔

س۔ گناہ کی کے قسمیں ہیں۔

ج - گناہ دو قسم کے ہیں - خدا کا گناہ مثل ترک نماز، روزہ وغیرہ عمداً دویم بندوں کا گناہ مثل چوری۔ غصب وغیرہ - پس اگر خدا کا گناہ کیا ہے تو اپنے دل میں ندامت اور آیندہ نہ کرنے کا قصد اُس کے لئے کفارہ ہے اور یہی اُس کی توبہ ہے اور اگر ترک واجب کیا ہے اور اُس کا وقت باقی ہے تو اُس کو فوراً ادا کرلے اور یہی اُس کی توبہ ہے اور اگر اُس کا وقت گزر گیا اور بہ سبب گزرنے وقت وہ ساقط بھی ہو گیا مثل صلوٰۃ عیدین کے اُس کا کفارہ یا توبہ وہ ندامت اور آیندہ کے لئے یہ ارادہ کرنا کہ ایسا نہ ہوگا یہی کافی ہے اور اگر وقت نکلنے سے ساقط نہیں ہوتا مثل قضا نماز پنجگانہ کے تو اُس کی قضا اُس کے لئے توبہ ہے (۲) اگر گناہ بندوں کا ہے مثل اس کے کہ کسی کا حق غصب کر لیا ہے یا مال لے لیا ہے تو توبہ کرے اور اُس کا مال حقدار کو پہونچا دے اور اگر وہ نہو تو اُس کے وارثوں کو پہونچا دے اور اگر اس میں بھی معذور ہو تو واجب ہے کہ امام یا نائب امام تک پہونچا دے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اُس کے پہونچانے کا قصد و عزم رکھے خدا غفور اور رحیم ہے۔

توبہ

س - توبہ کس کو کہتے ہیں۔

ج - اپنے گزشتہ برے کاموں پر نادم ہونے اور زمانہ موجودہ میں ترک کرنے اور آئندہ نہ کرنے کے ارادہ کو کہتے ہیں اور یہ ہر گناہ کے بعد واجب ہے۔

س - توبہ کیوں واجب ہے۔

ج - توبہ چونکہ دافع ضرر ہے اور ندامت اور شرمندگی کا نام ہے دفع ضرر فعل واجب ہے اگرچہ گمان ہی کی حیثیت سے ہو اس لئے واجب ہے اور جو گناہ پر شرمندہ بھی نہ ہو تو اُس سے بڑھ کر بے حیا اور مستحق عذاب کون ہو گا کیونکہ شرمندگی فعل قبیح پر عقلا کے نزدیک ضروری ہے۔ اکثر روایات واحادیث وجوب توبہ اور اُس کے دافع ضرر ہونے پر موجود ہیں لہذا عقلا اور نقلا دونوں طرح گناہوں سے توبہ کرنے کا وجوب ثابت ہوا۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

س - امر بالمعروف ونہی عن المنکر - یعنی نیک کام کا حکم دینا اور بُرے کام سے منع کرنا کیوں واجب ہے۔

ج - چونکہ انسان مدنی الطبع ہے اور ایک دوسرے سے روزانہ تعلقات کے باعث نفع کی بات بتانا اور ضرر سے بچانا ضروری ہے لہذا واجب ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو اچھے کام کا حکم دیں اور بُرے کام سے منع کریں لیکن اِس کے لئے چند شرطیں ہیں۔

س - امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی کیا شرائط ہیں۔

ج - اول یہ کہ اچھا فعل اچھا اور بُرا فعل بُرا حقیقت میں ہو اور بتانے والا

اُس کو جانتا ہو یہ نہیں کہ جو اپنے کو ناگوار لگے اُس پر خفا ہونے لگے یا اپنی فوقیت جتانے کے لئے کسی طاعت کا حکم لگانے لگے کہ یہ معصیت ہے۔
دوئم یہ کہ ہر دو امور آئندہ کے لئے ہوں اس لئے کہ امر و نہی گزری ہوئی بات کے لئے بیکار اور عبث ہے لہذا ہر عمل آئندہ کے لئے بتانا چاہیے۔
سوئم اچھے امر کی تلقین اور بُرے کام کے منع کرنے والے کو اپنے کہنے پر عمل کا بھی گمان ہو اگر تحقیق ہو جائے یا گمان ہو کہ اُس کے کہنے کا اثر نہ ہوگا تو وجوب ساقط ہو جاتا ہے بلکہ بعض مواقع پر باعث فساد ہوتا ہے لہذا خاموشی بہتر ہے۔
چہارم یہ کہ آمر اور ناہی کو اپنے اِس کہنے اور باز رکھنے سے اپنے یا کسی مسلمان کے نقصان کا اندیشہ نہ ہو پس اگر نقصان کا اندیشہ ہو تو وجوب ساقط ہے اور خاموشی ضروری ہے مگر خود وہاں سے ہٹ جائے
اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ط

تمام شد

جزا اُن کو عطا فرمائے اور پڑھنے والوں کو راہ ہدایت پر لائے۔

حررہ العبد العاصی السید مبارک علی رضوی عالم لکھنوی مقیمہ شاہ گنج آگرہ

۳ر جمادی الاول ۱۳۵۴ھ مطابق ۴ر اگست ۱۹۳۵ء

تصدیق از جناب اشرف العلما سید الفضلا جناب سرکار حجۃ الاسلام مولانا السید

سبط حسین صاحب قبلہ و کعبہ مدظلہ العالی مجتہد العصر لکھنؤ

میں نے بعض مقامات کتاب معراج الیقین مولفہ سلالۃ الاطیاب جناب سید غلام علی صاحب وکیل دام مجدہ وعلاہ کے سنے۔ جناب ممدوح نے نہایت قابلیت کے ساتھ مضامین دقیقہ کو سہل عبارت میں واضح کر دیا ہے کہ جس سے ہر مبتدی اور متوسط طلبہ فائدہ کثیر اُٹھا سکتے ہیں۔ یہ کتاب مستطاب اس قابل ہے کہ اہل مدارس اسکو کورس میں داخل کریں اور ضرور داخل کریں ایسی کتاب مختصر اور مشتمل فوائد مہمہ بزبان اردو میں اس وقت تک مری نظر سے نہیں گزری۔ خداوند عالم مولف موصوف کو جزا ءِ خیر دے دنیا و آخرت میں اور مومنین کو توفیق دے اس کے مطالعہ کی وہو الموفق والمعین علیہ یتوکل وبہ نستعین۔

حررہ خادم الشریعۃ سبط حسین عفی عنہ بقلمہ فی ۹ر شوال ۱۳۵۴ھ

تصدیق از جناب اکمل الکملا۔ افضل الفضلا فخر العلما جناب مولانا السید سبط نبی صاحب قبلہ زاد فضلہ مجتہد العصر۔ و پروفیسر دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ میں نے کتاب معراج الیقین کو جس کے مولف جناب

السید غلام علی صاحب وکیل و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ آگرہ ہیں اکثر مقامات سے دیکھا
جناب وکیل صاحب نے تسہیل و وضاحت مطالب میں جو مخصوص و مستحسن طریقہ اخ
فرمایا ہے۔ نہایت لطیف و باعث دلبستگی ناظرین ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اہل ایمان
اس کتاب کے مطالعہ سے ایمان کو تازہ کریں اور نظر و فکر فرما کر درجہ حق الیقین کو حا
فرماویں۔ خدا سے دعا ہے کہ مصنف کے واسطے یہ ذخیرہ دنیا و آخرت ہو اور برکا
آلہی شامل حال رہیں بحق محمد و آلہ الطاہرین۔

حررہ السید سبط نبی عفی عنہ بقلمہ علیگڈھ
۲ ر جمادی الثانی سنہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۲ ر ستمبر سنہ ۱۹۳۵ء

اشتہار

مولف نے تمام حقوق علوی اسٹورس شاہ گنج آگرہ کو عطا فرمادئے ہیں
لہذا جس قدر کاپیاں درکار ہوں اسٹور سے طلب فرماویں۔ قیمت فی جلد ۵؍

المشتہر
ڈاکٹر سید سردار حسن جعفری منیجر علوی اسٹورس۔ شاہ گنج۔ آگرہ